MAIN LIBRARY
PUNJAB UNIVERSITY LHR.

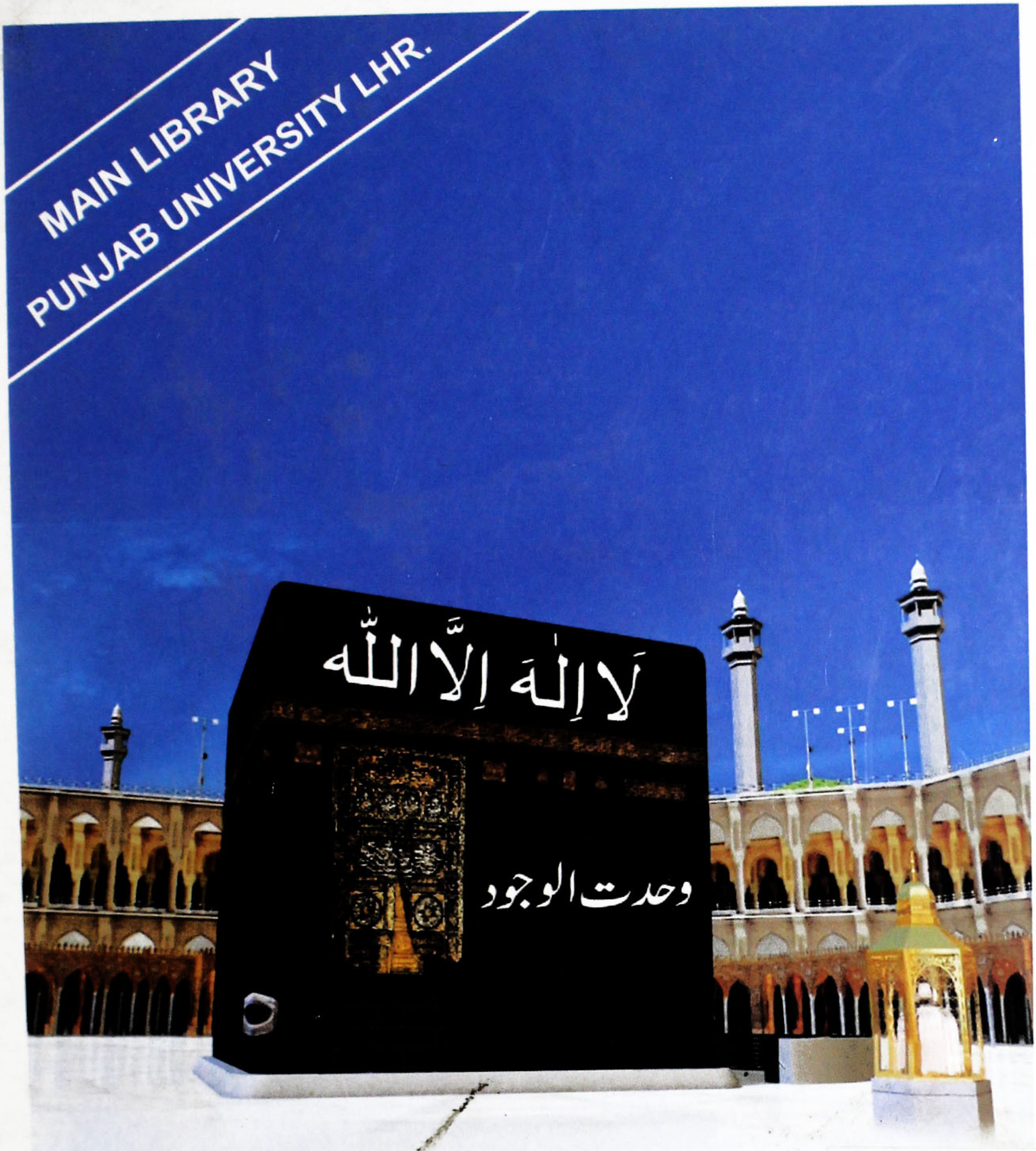

محمد مختار خان غزنوی میاں خیل نقشبندی

وحدت الوجود

محمد مختار خان غزنوی میاں خیل نقشبندی

ایم ایس سی (زرعی معاشیات)

وائس پریزیڈنٹ (ریٹائرڈ)

زرعی ترقیاتی بنک آف پاکستان، اسلام آباد

297.61
140794

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

نام تصنیف	:	وحدت الوجود
مصنف	:	محمد مختار خان غزنوی میاں خیل نقشبندی
اشاعت اول	:	15 جنوری 2017ء
اشاعت دوئم	:	مارچ 2017ء
اشاعت سوم	:	جولائی 2017ء
اشاعت چہارم	:	3 نومبر 2017
کمپوزنگ	:	مکتب پنجاب للترجمہ، آبپارہ، اسلام آباد (Punjab Services)
اہتمام طباعت	:	ٹائپوگرافکس، اسلام آباد
ہدیہ	:	200 روپیہ
ناشر	:	میاں خیل پبلشر، ہاؤس 30، سٹریٹ 30، سیکٹر G-6/1-3 اسلام آباد

ISBN-978-969-8513-04-7

حرفِ آغاز

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ○

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (۱) الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (۲) مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ (۳) اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ (٤) اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ (٥) صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ (٦) غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ (٧)

حدیثِ عشق

صَلَّ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلَّم

عرفانِ ذات

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

انتساب

یہ ننھی سی کاوش حضور پرنور ﷺ کے نام۔۔

جن پر اللہ تعالیٰ اور فرشتے ہر دم درود و سلام بھیجتے ہیں۔

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	وحدت الوجود کی تعریف	1-7
2	حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کا نقطہ نظر	8-13
3	فقیر کا نقطہ ءنظر	14-15
4	ڈاکٹر ابو سعید نور الدین کا نقطہ نظر	15-16
5	فقیر کا نقطہ ءنظر	16-17
6	حضرت مولانا شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ کا نقطہ نظر	17
7	الطاف احمد اعظمی کا نقطہ نظر	17-23
8	وحدت الوجود کے اہم مآخذ	23-29
9	ڈاکٹر محسن جہانگیری کا نقطہ نظر	29-41
10	غلام احمد پرویز کا نقطہ نظر	41-43
11	حضرت ابن عربی کا نقطہ نظر	43-45
12	قرآن کا نظریہ تخلیق کائنات	45-49
13	حضرت ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے اہم نکات کے بارے میں فقیر کا نقطہ نظر	49-51
14	فرعون کے قول ''انا ربکم الاعلیٰ'' کی حقیقت	51-52
15	فلسفہ ہمہ اُوست کی حقیقت	52-55
16	حضرت ابنِ عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کی حقیقت	55

17	اسلامی تعلیم وحدانیتِ الٰہی	55-56
18	خلاصہ کلام	56-58
19	اسلامی نظریہ ''وحدانیتِ الٰہی'' کا حدیث رسول ﷺ اور سائنس کے ذریعے اثبات	59-62
20	صوفی بھائیوں اور فلاسفر و سائنسدان دوستوں کو فقیر کا عاجزانہ مشورہ	62-64
21	معرفتِ الٰہی	64-66
22	اقسامِ معرفتِ الٰہی	66-67
23	طریقہ حصولِ عرفانِ الٰہی (معرفتِ الٰہی) وذکرِ لطائفِ ستّہ	68-80
24	صوفیاء کرام کے کلمہ لَاوُجُودَ وَلَامَوجُودَ اِلَّا اللہ کی تشریح	81-84
25	صوفیاء کرام اور علماء کرام کی 'وجودِ واحد' اور ''وحدت الوجود'' کے بارے میں ایک سنگین غلط فہمی اور اس کا ازالہ:	84-87

پیش لفظ

بِسۡمَ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

تصوف، اللہ تعالیٰ کی محبت اور نیک عمل کا نام ہے۔ یہ انتہائی دشوار راستہ ہے کیونکہ فرد کو فکری اور عملی طور پر ہر لمحہ اور ہر کام میں شفافیت کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہر کام میں (چھوٹا ہو یا بڑا) رضائے اِلٰہی کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ پاک و ہند کے اکثر صوفیاء کرام ہندی فلسفہ ہمہ اُوست اور حضرت ابنِ عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے پیروکار ہیں اور یہ دونوں نظریات ''عرفانِ الٰہی'' کے حصول کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فلسفہ ہمہ اُوست کہتا ہے کہ سب وہی (اللہ) ہے اور روحِ انسانی اللہ تعالیٰ کے نور کا جزو ہے جبکہ فلسفہ وحدت الوجود کے مطابق یہ کائنات بمعہ تمام موجودات بشمول ذاتِ حضرت انسان، اللہ تعالیٰ کی ذات کا عین ہے یعنی سب وہی ہے مُراد وحدت، کثرت کی صورت میں ظاہر ہے۔

فلسفہ ہمہ اُوست ایک ساحرانہ فلسفہ ہے اور صوفی کو اپنے جادوئی حصار سے باہر نکلنے نہیں دیتا۔ فقیر چالیس برس فلسفہ ہمہ اُوست کے سحر کا شکار رہا۔ فقیر ہر وقت ''ترنگ'' میں رہتا تھا لیکن دل کو تشفی حاصل نہ تھی۔ روح بے چین رہتی تھی۔ یہ تو درود پاک کا فیض اور اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور مدد کے سبب اس طلسمی نظریہ سے نجات ملی اور صراطِ مستقیم سے روشناس کرایا۔ الحمدُ لِلّٰہ

اگر انسان کی نیت صاف ہو اور دل میں محبتِ الٰہی شامل ہو تو اللہ تعالیٰ سیدھا راستہ ضرور دکھاتے ہیں۔ الحمدُ لِلّٰہ! آج روح مطمئن ہے اور دل کو تسکین حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ رویاء میں فلسفہ ہمہ اُوست اور حضرت ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کی حقیقت سے آگہی اور اپنی سچی وحدانیت کا عرفان عطا فرمایا۔ الحمدُ لِلّٰہ

موجودہ دور میں ''حق'' غائب ہے اور نفس پرستی ہر فکر و عمل پر غالب ہے۔ یہی صورت ''راہ تصوف'' میں ہے۔ انتہائی غلط قسم کے نظریات اور عقائد ''علم تصوف'' میں شامل ہو چکے ہیں مثلاً انسانی روح ، اللہ تعالیٰ کے نور کا جزو ہے ۔اللہ تعالیٰ انسانی جسم میں حلول کر جاتے ہیں (نعوذ باللہ)۔ اور یہ کائنات اور اس میں تمام موجودات اللہ تعالیٰ کی ذات کا عین ہے۔ اس لئے وقت کی اہم ضرورت تھی کہ ''تجدید علم تصوف'' پر کام کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا صد شکر ہے کہ اس عظیم کام کے لئے فقیر کا انتخاب کیا۔ الحمدُ للہ

فقیر نے جو کچھ ''وحدت الوجود'' کے بارے میں عرض کیا ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی پسند یا ناپسند سے آگاہی ہو اور اسے لوگوں تک پہنچایا جائے تا کہ ہر مسلمان بھائی ، بہن اللہ تعالیٰ کی رضا اختیار کرے۔ (آمین) کیونکہ یہی مومن کی منزل ہے۔

طالبِ دعا

فقیر مختار

1۔ وحدت الوجود:

فلسفہ وحدت الوجود پر صغیر پاک و ہند میں بہت مقبول ہے۔ پاک و ہند کے جید صوفیاء کرام فلسفہ وحدت الوجود کے پیروکار تھے۔ وحدت الوجود کا نظریہ حضرت ابنِ عربی نے پیش کیا۔ حضرت ابنِ عربی 638 ہجری میں اندلس میں پیدا ہوئے اور دمشق میں وفات پائی۔

حضرت ابنِ عربی کے نقطہ نظر کے مطابق یہ کائنات، اللہ تعالیٰ کی ذات کا عین ہے۔ کوئی غیر نہیں۔ یعنی سب وہی (اللہ) ہے مراد وحدت کثرت کی صورت میں ظاہر ہے۔

فلسفہ ہمہ اُوست کا بھی یہی نظریہ ہے کہ سب وہی (اللہ) ہے ہمہ اُوست خالصتاً ہندی نظریہ ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔ ہمہ اُوست کے معنی ہیں کہ سب وہی (اللہ) ہے یعنی وحدت (اللہ تعالیٰ) کثرت کی صورت میں عیاں ہے اور یہ کائنات و مافیہا غیر یا فانی نہیں کیونکہ سب وہی (اللہ) ہے (تفصیل کے لئے اگلے صفحات 21 to 24 کو دیکھئے)

حضرت ابنِ عربی کے فلسفہ وحدت الوجود اور ہندی فلسفہ ہمہ اُوست کے اندازِ بیاں میں فرق ضرور ہے لیکن دونوں نظریات کا ایک نقطہ پر اتفاق ہے اور وہ یہ کہ وحدت، کثرت کی صورت میں ظاہر ہے۔ فقیر کو حیرت ہوتی ہے کہ پاک و ہند کے اکثر نامی گرامی صوفیاء کرام حضرت ابنِ عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے پیروکار تھے اور موجودہ دور میں بھی یہی نظریہ رائج ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندی فلسفہ ہمہ اُوست انتہائی طاقتور اور سحر انگیز نظریہ ہے۔ یہ فلسفہ صوفی کو اپنے جادوئی حصار سے باہر نکلنے ہی نہیں دیتا اور صوفی خود بھی اس کے نشہ و مستی میں رہنا پسند کرتا ہے کیونکہ صوفی خود کو اللہ تعالیٰ کے نور کا جزو سمجھتا ہے (نعوذ باللہ) جسے وہ عرفانِ الٰہی کہتا ہے وہ کائنات کے تمام وجودوں کی وحدت (وحدت الوجود) کو ہی حقیقی وحدانیت الٰہی سمجھتا ہے جو حقیقتاً اس کی بھول اور مغالطہ ہے۔ یہ سراپا باطل نظریہ ہے کیونکہ مخلوق کو خالق کے ہستی سے ملا دیا ہے۔

اے دوست! عرفانِ کامل تو یہ ہے کہ صوفی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کو ہی واحد ہستی، واحد معبود اور واحد خالق و مالک تسلیم کرے کیونکہ عبدیت کا یہی تقاضہ ہے۔ اے دوست! حسنِ عبدیت پر تو خدا بھی فدا ہو جاتا ہے اور عرشِ الٰہی، محبوب ﷺ کے قدموں کی زینت بن جاتا ہے اور یہ ہے معراجِ محمد ﷺ۔ عبدیت کا حُسن کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار اور اس پر عمل ہے۔ اسی کلمہ کے ذکر سے عرفانِ الٰہی اور ''اِک مُک'' کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اے دوست! عبدیت سے ہی ابدیت کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

صوفیاء کرام'' وحدت الوجود'' کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ لغت میں'' وحدت الوجود'' کے معنی'' تمام موجودات کو اللہ تعالیٰ کا وجود ماننے'' کے ہیں۔ فقیر وحدت الوجود کی تعریف یوں کرتا ہے:

''تمام وجودوں کی وحدت کو وحدت الوجود کہتے ہیں''

اے دوست! دینِ اسلام میں نظریہ وحدت الوجود کی ذرہ بھر کی گنجائش بھی نہیں کیونکہ یہ کلمہ توحید الٰہی ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' سے ڈائریکٹ ٹکراتا ہے:

(i) اول یہ کہ نظریہ وحدت الوجود کے مطابق کائنات کا ہر وجود اللہ تعالیٰ کا وجود ہے یعنی ہر شے خدا ہے (نعوذ باللہ)۔

(ii) دوئم یہ کہ نظریہ وحدت الوجود میں'' اللہ تعالیٰ کا بحیثیت الٰہ (معبود) کا اقرار نہیں ملتا کیونکہ ہر شے خدا ہے کوئی مخلوق نہیں جبکہ دینِ اسلام کا سٹارٹ ہی'' اللہ کو واحد معبود'' ماننے سے ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو واحد ہستی ماننے سے۔ یہی وہ بنیادی عقیدہ کا فرق ہے جسے اکثر صوفیاء کرام سمجھ نہ سکے اور بدعت و گمراہی کا شکار ہو گئے۔ اے دوست! اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اصل میں اسے ''**واحد معبود**'' ماننا ہی حقیقی توحیدِ الٰہی ہے اے دوست! کلمہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ

وحدت الوجود کا اظہار نہیں کر رہا بلکہ واحد معبود کا اعلان کر رہا ہے۔اے دوست! اللہ تعالیٰ کی پاک ذات "احد" (یکتا) ہے اور اس کا کوئی شریک یا عین نہیں یعنی اللہ تعالیٰ ہی ذاتِ حق ہے جو احد، واحد، قدیم، دائم، قائم، حَیُّ قیوم ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ اخلاص میں فرماتے ہیں

قُل هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفوا اَحَد

اے دوست! تمام انبیاء کرام علیہ السلام کی تعلیم لَااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه تھی جسکی تفہیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ واحد ذات ہے جو اِلٰہ ہے یعنی معبود ہے مراد یہ کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی پاک ذات ہے اور یہ کائنات اور اس میں موجود تمام اشیاء بشمول ذات حضرت انسان خلق ہیں اور اِلٰہ کہلانے کا حق نہیں رکھتیں اور اسی وجہ سے کائنات، اللہ تعالیٰ کا عین بھی نہیں ہے۔

اے دوست! اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ اٰلِ عمران (پارہ 3) آیت نمبر 18 میں فرماتے ہیں:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُو الْعِلْمِ قَآ ئِمًا بِالْقِسْطِ

ترجمہ: اللہ، فرشتوں اور علم والوں نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی قائم رکھنے والا ہے (نظام کائنات کو) عدل کے ساتھ۔

اے دوست! اوپر دی گئی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے ''معبود'' ہونے کی تین شہادتیں دے رہے ہیں:۔

(i) پہلی عظیم اور سچی شہادت اللہ تعالیٰ خود دے رہے ہیں کہ ''میں ہی تمہارا حقیقی معبود ہوں''۔

(ii) دوسری شہادت فرشتوں کی جو معصوم اور نورانی مخلوق ہے۔

(iii) تیسری شہادت ''اہل علم'' کی جو ہدایت یافتہ اور حق پرست لوگ ہوتے ہیں۔

اے دوست! ''اہلِ علم'' ہی ''اہلِ عرفان'' ہوتے ہیں۔فرشتے اور اہلِ علم بھی یہی کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں۔اے دوست! اللہ تعالیٰ اپنے ''معبود'' ہونے کی وجہ تسمیہ بھی بتلاتے ہیں: کہ وہی تمام کائنات کا کنٹرول عدل (**سائنسی بنیادوں پر قائم، کمپیوٹرائزڈ وائرس فری نظام**) کے

ساتھ سنبھالے ہوئے ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی شے ایک دوسرے پر غالب نہیں آتی۔ سب اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے اپنے فرائض عدل سے سرانجام دے رہے ہیں۔

اے دوست! چونکہ کائنات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے ''وہی'' عبادت کے لائق ہے اے دوست! جب حضرتِ انسان اللہ تعالیٰ کو ''معبود'' تسلیم کرے گا تو لازماً خود ''عبد'' کہلائے گا اور پھر عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ''عبودیت (بندگی)'' کو ظاہر کرے گا یہی وہ ''حق'' ہے جو اللہ تعالیٰ بار بار حضرتِ انسان کو سمجھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ اَلزُمَر (پارہ 24) میں فرماتے ہیں:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔۔۔۔(آیت 67)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر کرنی چاہئے تھی ویسے قدر نہ کی حالانکہ (وہ ایسا قادر ہے) کہ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوئے پاک ہے وہ اور بالاتر اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔

اے دوست! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنا تعارف بحیثیت ''معبود'' کرایا ہے اور اپنی ذات کے لئے ''اَحَدْ'' اور ''وَحْدَہٗ'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں لفظ ''اَحَدْ'' کے معنی ''یکتا'' کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ''مثل'' کائنات کی کوئی شے، ذات، ہستی یا وجود نہیں (لَیسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ) اور ''وَحْدَہٗ'' کے معنی ''ایک''، ''اکیلا'' اور ''تنہا'' کے ہیں اور ''وَحْدَہٗ'' کی وضاحت وتشریح کے لئے ہمیشہ کلمہ ''لَاشَرِیکَ لَہٗ'' آیا ہے یہ صیغہ مفصل ہے جو واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ''ہی'' نہیں۔ لفظ ''ہی'' پر زور ہے کہ کسی بھی صورت میں اللہ تعالیٰ کی ذات، ہستی اور وجود وصفات میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا جبکہ صوفیاء کرام اس کائنات کی تمام موجودات بشمول ذات حضرت انسان، اللہ تعالیٰ کی ذات/وجود/ہستی کا حصّہ خیال کرتے ہیں کہ ''سب وہی ہے''۔ (نعوذ باللہ)

اے دوست! حضرت انسان کا یہ کہنا کہ ''سب وہی ہے'' اس کی نفس پرستی کو ظاہر کرتا ہے وہ ایسے کہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ملا دیا ہے جو تکبر کا اظہار ہے۔ اے دوست ''تکبر'' یعنی ''بڑائی'' تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ حضرت انسان تو سراپا ''عاجز'' ہے۔ ''عجز'' حضرت انسان کا حُسن ہے۔ یہی وہ حُسنِ کرشمہ ساز ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس بھی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ عجز سے پاک ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ''حُسنِ عجز'' میں ''انسان کی معراج'' کو پوشیدہ رکھا ہے حُسنِ عجز، وہ آئینہ ہے جس میں ''تصویرِ یار'' نظر آتی ہے۔ حدیث قدسی حضرت انسان کے ''مقام معراج'' کو یوں بیان کرتی ہے:

''اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ قدم بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔''

(شرح بخاری فتح الباری حدیث نمبر 6502 حضرت امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ)

اے دوست! ''نفسِ انسانی'' بہت مکار ہے۔ حضرت انسان چاہتا ہے کہ ایک ہاتھ میں دنیا رہے اور دوسرے ہاتھ میں دین۔ اللہ تعالیٰ کو ''انسانی نفس کی مکاری کا خوب علم تھا کہ حضرت انسان ''شرک'' سے باز نہیں آئے گا اور اسی وجہ سے ''وَحْدَہٗ'' کی وضاحت کے لئے ''لَاشَرِیکَ لَہٗ'' کی شرط لگائی لیکن حضرت انسان نے یہ عیاری دکھائی کہ وحدانیتِ الٰہی کی نئی ترکیب نکالی کہ ''سب وہی ہے'' اور ''یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات کا عین ہے'' یعنی ایک ہی ذات کا ظہور ہے اس لئے ''وحدت الوجود کا عرفان'' ہی حقیقی وحدانیت ہے مزید یہ کہ صوفیاء کرام نے کلمہ ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ'' کو بدل کر ''لَا وَجُوْدَ وَلَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی بنیاد رکھ دی جس کی شہادت قرآن کریم اور نہ ہی

سنت و حدیث رسول اللہ ﷺ سے ملتی ہے۔اے دوست! نظریہ وحدت الوجود کی تعلیم کلمہ الٰہی " لَآ اِلٰــهَ اِلَّا الــلّٰـه " کے بالکل برعکس ہے۔نظریہ وحدت الوجود ''کفر'' اور ''شرک'' ایسے ظالمانہ نظریات کی عکاسی کرتا ہے وہ ایسے کہ

(i) جب اللہ تعالیٰ کو ''معبود'' نہ مانو گے تو ''کفر'' کے مرتکب ہو گے اور (ii) جب ''مخلوق'' کو ''خالق'' کی ذات کا حصہ یا جزو یا عین کہو گے تو ''شرک'' کرو گے کیونکہ ''مخلوق'' کو ''خالق'' کی ذات میں شریک کر دیا ہے۔نظریہ وحدت الوجود کے مطابق اگر ''سب وہی ہے'' یعنی کوئی ''غیر اللہ'' نہیں مراد یہ کہ ایک ہی ذات کا ظہور ہے اور کوئی خالق اور مخلوق نہیں'' تو منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ (i) نیکی اور برائی سب بے کار (ii) جزا اور سزا کا کوئی جواز نہیں (iii) روزِ محشر اور قیامت سب بے معنی (iv) اس لئے جو ''جی میں آئے کیجئے'' سب ٹھیک ہے کیونکہ ''سب وہی ہے''

اے دوست! **حقیقی وحدانیت الٰہی کی تین بنیادی صفات ہیں** ''جو کامل ایمان'' کی نشانیاں ہیں۔ان تینوں صفات میں سے کسی ایک صفت کی کمی یا انکار، ''دائرہ ایمان'' سے خارج کر دیتی ہے۔

(i) اوّل صفت یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ہی ''واحد معبود'' جانے

(ii) دومِ صفت یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ''اَحَدٌ (یکتا)'' جانے یعنی قرآن کی اس آئت مبارکہ پر کامل ایمان ہو۔**قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَد ....**(القرآن سورۃ اخلاص پارہ 30)

(iii) سوم صفت یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کائنات کے کسی بھی وجود یا ہستی کو شریک نہ کرے یعنی درج ذیل کلمہ کو دل و جان سے تسلیم کرے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

اے دوست ! اللہ تعالیٰ کو صرف ''ایک ہستی'' ماننے سے وحدانیت الٰہیٰ کے تقاضے پورے نہیں ہوتے بلکہ ''ایک معبود'' اور اسکی ذات وصفات میں کسی بھی وجود کو شریک نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ہستی/ذات کو ''اَحَدُ (یکتا)'' تسلیم کرنا ہی حقیقی وحدانیتِ الٰہیٰ کہلاتا ہے۔اے دوست ! اللہ تعالیٰ کو ''واحد معبود'' مانو گے تو ''شرک'' اور ''کفر'' دونوں خود بخود ختم ہو جاتے ہیں اور کامل ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ حضرت انسان'' لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا اقرار کرے اور عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ''عبودیت (بندگی)'' کا اظہار کرے یہی قرآنی تعلیمی ہے اور حضور پرُنور ﷺ کی حیات طیبہ اس کی شہادت دیتی ہے۔

اے دوست ! لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وہ عظیم اور لافانی کلمہ ہے جو عرش الٰہیٰ پر تحریر ہے۔

اے دوست ! یہ کلمہ روحِ ایمان ہے اور اس کا ذکر حُسنِ عبادت ہے اس کلمہ سے انحراف ایمان اور حسن دونوں سے محرومی ہے۔

اے دوست ! نظریہ ''وحدت الوجود'' ایک نظریہ نہیں ہے بلکہ یہ تو ''جذبہ عشق'' کی اعلیٰ کیفیت کا نام ہے جب حضرت انسان کائنات کے ہر وجود بشمول ذاتِ حضرت انسان یعنی تمام غیر اللہ کی ذہنی طور پر نفی کر دیتا ہے اور صرف ذاتِ الٰہی کا اثبات کرتا ہے تو اس کے من کے مندر میں ذاتِ الٰہی کی تصویر آویزاں ہو جاتی ہے۔سوتے، جاگتے اسی کی یاد میں ہر لمحہ، ہر گھڑی گزرتی ہے اور ''اِک لمحہ'' کی غفلت اسے کوہِ گراں لگتی ہے اور پھر جب اس غفلت پر ندامت کے آنسو بہاتا ہے تو عالمِ رویاء میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے انوار دکھاتا ہے اور یہ قلبی واردات عاشق کا حوصلہ بڑھاتی ہیں اور عاشق مزید شدت سے اپنی محبت کی دیوانگی کا اظہار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو یہی دیوانگی پسند ہے۔یار لوگوں پر دیوانگی

کی یہ کیفیت تو طاری نہ ہوسکی اوراس کیفیت کونادانوں نے ''نظریہ وحدت الوجود'' کا نام دے کرتسکین حاصل کرنا چاہی جوسراسرنا انصافی ہے۔

اے دوست! وصلِ یار کے لئے جان سے گزرنا لازم ہے کیونکہ یہ رسم عشق ہے،فقیر کا شعر ہے

کتاب عشق میں لکھا ہے اِک کُلیہ
سر کٹاؤ گے تو سرخرو ہو گے

2۔ حضرت غزالی زماں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کا نقطہ نظر:

فقیر نے حضرت غزالی زماں علامہ کاظمی علیہ الرحمہ کے مضمون ''وحدت الوجود کیا ہے'' کو گوگل (Google) سے نقل کیا ہے علامہ کاظمی صاحب اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

اس پرفتن دور میں حق و باطل میں تمیز کرنا بے حد دشوار ہوگیا ہے، دلائل وشواہد کی بھول بھلیوں میں صحیح راستہ اختیار کرنا عوام الناس کے لئے ممکن نہیں رہا۔ اس کے باوجود میں کوشش کروں گا کہ وہ بات جوانتہائی اَدَق اور پیچیدہ ہے، وہ بے حد سادہ اور عام فہم انداز میں آپ تک منتقل کردوں تا کہ وہ تمام شکوک وشبہات جوموضوع کے حوالے سے پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کئے جاتے ہیں ان کا شافی جواب میسر آ سکے۔

کلمہ طیبہ دین کی بنیاد ہے، یہ کلمۃ التوحید ہے، یہ وہ جوہر ہے جو اگر ہم میں ہے تو ہم ہیں اور اگر ناپید ہے تو ہم کالعدم ہیں۔ ''لا الہ الا اللہ'' کا مفہوم میں آپ پر واضح کرتا چلوں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کے سوا کسی کی پرستش اور پوجا نہیں کی جاسکتی۔ یا یوں کہیے کہ اس کی ذات مقدسہ وحدت کی صفت سے متصف ہے، اگر کوئی اس کی ذات میں شریک متصور ہوتو ''لا الہ الا اللہ'' کی نفی ہوگی اور اگر کوئی اس کی صفات میں شریک مانا

جائے تب بھی ''لا الہ الا اللہ'' کی نفی ہوگی۔

یہ کہ ذہن میں رہے کہ ذات کا تعقل اور تصور صفات سے علیحدہ ہوکر ممکن نہیں، انسان کی ذات اس کے جسم، شکل وشباہت، عادات واطوار کے بغیر کچھ نہیں۔ آپ کسی مکان کے بارے میں سوچیں تو جب تک اس کے بام ودر، اس کی تعمیر، اس کا خاکہ آپ کے ذہن میں نہ آئے تب تک مکان کا تصور قائم نہیں ہوتا۔

رب تعالیٰ اپنی ذات اور اپنی صفات دونوں میں وحدہٗ لاشریک ہے، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ صفات میں شرک کا مفہوم تو سمجھ میں آتا ہے، وہ سمیع وبصیر ہے، وہ علیم وخبیر ہے، وہ حیی وقیوم ہے، وہ رحمٰن ورحیم ہے، وہ قہار وجبار ہے وہ توّاب وغفار ہے یہ تمام صفات اس کی ہیں، چنانچہ اس کے سوا کسی کو سمیع وبصیر مانو تو مشرک، علیم وخبیر اس کے سوا کسی کو گردانوں تو شرک، اس کے سوا کسی کو حیی وقیوم سمجھو تو شرک، اسی طرح اس کی کسی صفت کو کسی دوسرے کے لئے تسلیم کرو تو شرک ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ذات میں شرک کا مفہوم کیا ہے، ہم کسی کو اس کی ذات میں کیسے شریک ٹھہرا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب فوری طور پر ذہن میں یہ آتا ہے کہ اس کے سوا کسی کو الٰہ مانو تو یہ ذات میں شرک ہوگا۔ میں عرض کروں گا کہ یہ درست نہیں، وہ اس لئے کہ الوہیت بھی اس کی صفت ہے، اس کے علاوہ کسی کو الٰہ ماننے سے اس کی صفتِ الوہیت میں شرک ہوگا نہ کہ اس کی ذات میں، تو پھر ذات میں شریک ہونے کا مفہوم کیا ہے؟۔

خدا کی پہلی صفت:

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہمیں مزید غور وخوض سے کام لینا ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی سب سے پہلی صفت' صفت وجود ہے۔ ''وجود'' کا مفہوم کیا ہے؟ کیا وجود جسم کو، اس کے اعضاء کو، گوشت پوست، ہڈیوں اور خون کو کہتے ہیں؟۔ گفتگو کے دوران ہم کہتے ہیں کہ میرا

جسم کمزور ہوگیا ہے، میرے اعضاء متناسب ہیں، میری ہڈیاں مضبوط ہیں، میرا خون بہہ رہا ہے، وغیرہ وغیرہ، گویا ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ اور ہیں اور ہمارا جسم، ہمارے اعضاء، ہمارا گوشت، ہڈیاں، خون وغیرہ کچھ اور ہیں، جیسے ہم کہیں کہ یہ میرا مکان ہے، یہ میرا کمرہ ہے، یہ میری کتاب ہے، یہ میرا لباس ہے، ظاہر ہے کہ جسے ہم نے اپنا کہا ہے وہ کچھ اور ہے اور ہم کچھ اور ہیں۔

اب ''وجود'' کا مفہوم سمجھئے ''الوجود شدن'' یعنی وجود کے معنی ہیں ''ہونا''۔ یوں سمجھئے کہ ''ہست و نیست'' ''وجود و عدم''۔ ہست ''ہونا'' ہے اور نیست ''نہ ہونا'' ہے۔ وجود ''ہونا'' ہے۔ عدم ''نہ ہونا'' ہے۔ ذات کی پہلی صفت ''وجود'' ہے۔ ہم کہیں کہ زید ہے، یا زید نہیں ہے۔ ہم نے زید پر ''ہونے'' یا ''نہ ہونے'' کا حکم لگایا ہے، گویا ہونا یا نہ ہونا زید کی صفت ہے، یہ علیحدہ بحث ہے کہ یہ صفت عین ذات ہے یا غیر ذات۔ اگر پہلے ہم اللہ کی صفت وجود کو نہ مانیں تو ہم نہ اس کو سمیع و بصیر مان سکتے ہیں نہ حی القیوم، نہ علیم و خبیر مان سکتے ہیں، نہ رحمٰن و رحیم، نہ اس کی قدرت پر ایمان لا سکتے ہیں نہ اس کی حکمت پر، خدا کی کسی صفت پر ایمان نہیں لایا جا سکتا جب تک اس کی صفتِ وجود کو نہ مانا جائے۔

صفت وجود، عین ذات ہے:

رہی یہ بحث کہ ''وجود'' عین ذات ہے یا غیر ذات۔ تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ اگر ذات کا ''وجود'' ہے تو ذات ہے، اگر وجود نہیں ہے تو ذات نہیں ہے، ذات کا ''ہونا'' ہی تو ذات ہے، گویا ہم صفتِ وجود کو غیر ذات نہیں مانتے بلکہ عین ذات مانتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ صفت وجود وہ صفت ہے جو عین ذات ہے۔ اس مقام پر ہمیں اس سوال کا جواب ملا کہ صفات الٰہیہ میں شرک کا مفہوم تو واضح ہے لیکن ذات الٰہی میں شرک کا تصور کیا ہے؟۔ اگر ہم غیر خدا کو سمیع و بصیر، علیم و خبیر، رحیم و کریم، قہار و جبار مانیں تو ہم خدا کی صفات میں شرک کے مرتکب قرار پائے اور اگر ہم نے خدا کے سوا کسی اور کے وجود کو تسلیم کیا تو یہ شرک فی الذات ہونے کے ساتھ شرک فی الصفات بھی ہوا۔

جب ہم نے کلمہ طیبہ پڑھا اور کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے اپنی ذات میں اپنی صفات میں یکتا ہے، تو جب تک ہم یہ نہ مانیں کہ اس کی صفتِ وجود میں کوئی شریک نہیں، اس کے سوا کسی کا وجود نہیں، اس وقت تک توحید کا صحیح تصور ممکن نہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اس پر سوال ہوتا ہے کہ یہ زمین، آسمان، چاند، سورج، چرند، پرند، انسان، حیوان، نور، ظلمت، ہدایت، وگمراہی، خیر وشر ان سب کا وجود ہے اور اگر ہم ان کا وجود نہ مانیں تو اللہ کی صفت تخلیق کا انکار لازم آئے گا اور اس طرح ہم شرک سے بچ کر کفر کا شکار ہو جائیں گے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ وجود حقیقی تو اللہ ہی کا ہے، باقی تمام کائنات کا وجود حقیقی نہیں مجازی ہے۔ حقیقتِ وجود، وجودِ واحد کے سوا موجود نہیں، آئنہ خانے میں جہاں ہر طرف، ہر سمت بے شمار آئینے جڑے ہوں، ایک شمع روشن ہو تو وہ ہر آئینے میں جگمگاتی نظر آتی ہے، ہر عکس اس ایک شمع کا محتاج ہے، وہ ایک شمع بجھ جائے تو ہر سو اندھیرا چھا جائے۔ ساری جگمگاہٹ اور روشنی اسی ایک شمع کی مرہون منت ہے۔ لیکن شاید اس مثال پر اعتراض ہو کہ آئینوں کا تو اپنا وجود ہے، اس لئے اس بات کو دوسرے انداز میں سمجھنے کی کوشش کیجئے، آپ ایک کمرے میں تشریف رکھتے ہیں، آپ کے سامنے چار پائی ہے، پیچھے دروازہ ہے، دائیں طرف کھڑکی ہے اور بائیں طرف الماری ہے، آپ کے اوپر چھت ہے اور نیچے فرش ہے۔ اگر آپ رخ پھیر لیں تو آگے پیچھے، دائیں بائیں کا مفہوم بدل جائے گا اور اسی طرح اگر آپ چھت پر چلے جائیں تو اوپر نیچے کا تصور بھی تبدیل ہو جائے گا۔ یہ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، نیچے، ان کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔ آپ ہیں تو ہی سمتیں اور جہتیں بھی ہیں، اگر آپ نہیں تو یہ بھی نہیں۔ آپ جب کمرے میں داخل ہوئے تو ان سمتوں کو ساتھ لے کر نہیں آئے کہ ان کا اپنا علیحدہ کوئی وجود نہیں

ہے، آپ کے وجود کے باعث یہ از خود متصور ہوگئی ہیں۔

اگر ریاضی کے حوالے سے سوچیں تو تمام اعداد ''ایک'' کے مرہون منت ہیں۔ بلکہ کمپیوٹر میں تو ایک اور صفر صرف یہی عدد استعمال ہوتے ہیں ''ایک'' وجود ہے، ''صفر'' عدم ہے، باقی تمام اعداد و شمار اسی ایک وجود کے مرہون منت ہیں۔ وجود حقیقی وہی ایک وجود ہے، باقی سب کچھ اس کی صفات کا جلوہ ہے، اس کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے، کہیں اس کی صفتِ جلال جلوہ نما ہے، کہیں اس کے جمال کی جلوہ آرائی ہے۔

جدت پسند اذہان کی تسکین کے لئے اسی بات کو ایک دوسرے انداز میں عرض کرتا ہوں، کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے کچھ چیزیں فرض کر لی جاتی ہیں، فرض کرو ایک شخص ہے، اس کے فلاں فلاں اہل خانہ ہیں، فلاں حالات سے وہ گذرتا ہے اور فلاں صورت حال پیش آتی ہے، اس صورت میں اس شخص کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے۔ علماء جانتے ہیں کہ مسائل کے استنباط کے لئے اس نوعیت سے چیزیں فرض کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یا جیسے حساب و کتاب کے معاملات میں سوال حل کرنے کیلئے چند چیزیں فرض کر لی جاتی ہیں۔ الجبرا میں کہتے ہیں کہ اس چیز کی قیمت خرید فرض کر لی جو برابر ہے ''لا'' کے۔ اب سب جانتے ہیں کہ ''لا'' کا تو مفہوم ہے ''نہیں''۔ لیکن جب قیمت ''لا'' فرض کر لی جاتی ہے تو سوال حل ہو جاتا ہے اور جواب تلاش کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

یہ تمام چیزیں جو ہم فرض کرتے ہیں ان کا حقیقتاً کوئی وجود نہیں ہتا، لیکن عالم فرض میں ایسی بے شمار اشیاء آن واحد میں متحقق ہو جاتی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی شئے کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرماتا ہے ''کن'' تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقولہ کن فیکون۔ اس کا حکم یہی ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرمائے تو اس سے کہے ہو جا تو وہ (فوراً) ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ حقیقی اشیاء کے بنانے میں وقت صرف ہوتا ہے، فرضی اشیاء کی تخلیق میں نہیں، فرق اتنا ہے کہ جتنی ہماری حیثیت اور وقعت ہے اتنی حیثیت ہماری فرض کی ہوئی چیزوں کی ہے اور خدا کی تخلیق کردہ اشیاء اس حقیقی وجود کے مقابلے میں فرضی ہونے کے باوجود ''موجود'' معلوم ہوتی ہیں، دیکھئے شاعر بتاتے ہیں اور صوفیاء کرام نے کہا ہے کہ یہ دنیا دراصل عالم خواب ہے، جب ہماری موت آئے گی تو یوں کہئے کہ ہماری آنکھ کھلے گی۔ تو اس کائنات کو بھی اسی انداز میں خواب تصور کیجئے، لیکن یہ خواب دکھانے والا وہ قادر مطلق ہے اس لئے اب خواب کو خواب سمجھنا بھی خواب وخیال کی بات معلوم ہوتی ہے۔

بہر کیف اس تمام گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ یہ تمام کائنات مجاز ہے فرضی چیز ہے اور حقیقی وجود صرف اس کا ہے۔ اب غور کیجئے کہ ''وحدت الوجود'' پر یقین رکھنے والوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شرک کیا، کہ یہ چونکہ صرف رب کے وجود کو مانتے ہیں اس لئے انہوں نے گویا ہر موجود شئے کو خدا تسلیم کرلیا، ان کے کہنے کے مطابق جب خدا کے سوا کچھ نہیں تو پھر جو کچھ ہے وہ خدا ہی ہے، پھر ہر شئے خدا ہے۔ دراصل یہ مغالطہ ہے، شرک تو اس وقت ہوگا جب خدا کے سوا کسی شئے کو مانو گے، تسلیم کرو گے، پھر اسے خدا کی ذات وصفات میں شریک ٹھہراؤ گے، جب تمہارا عقیدہ یہ ہوگا کہ خدا کے سوا کچھ نہیں، یہ کائنات رنگ وبو، یہ عالم آب وگل، یہ زمین و آسمان، یہ ستارے، یہ کہکشاں، یہ نباتات، وجمادات، یہ انسانوں کی فوج ظفر موج، یہ حشرات الارض، یہ سیم وزر کے انبار، یہ اجناس واثمار، یہ شجر وحجر، ہی سب مجاز ہیں، یہ سب فرضی چیزیں ہیں، یہ ذہن ونظر کا فریب ہے، یہ ساری کائنات اعتباری ہے، حقیقی نہیں، خدا کے سوا کچھ نہیں ہے، جب تم اس کے سوا کسی کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو اس کی ذات میں کسی کو شریک کیسے کرسکتے ہو۔ جس کو تم شریک کرنا چاہو گے پہلے اس کے وجود کو تو مانو گے، جو چیز ہے ہی نہیں وہ خدا کی ذات وصفات میں شریک کیسے ہوسکتی ہے؟۔ وماعلینا الا البلاغ المبین

3۔فقیر کا نقطہ نظر:

علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ ''وحدت الوجود'' کی تعریف کرتے ہوئے اپنے مضمون کے آخری پیرا میں نظریہ وحدت الوجود کے ایک اہم اور بنیادی نقطہ کو نظر انداز کر دیا ہے جس سے ابہام اور مغالطہ پیدا ہو گیا ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ پاک و ہند کے اکثر صوفیاء کرام نظریہ ''وحدت الوجود'' کے پیروکار ہیں اور اس نظریہ کے سرخیل حضرت ابنِ عربی ہیں اور جن کا نظریہ ہے کہ یہ کائنات، ذاتِ حق (اللہ تعالیٰ) کا عین ہے اسی وجہ سے کائنات بھی عین حق ہے۔ یہ کائنات فرضی نہیں ہے یعنی یہ کائنات ذہن و نظر کا فریب نہیں بلکہ عین ذاتِ حق کا ظہور ہے۔ حضرت ابنِ عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے مطابق کائنات اور اس میں موجود تمام اشیاء کا وجود ایک ہی ذات (اللہ تعالیٰ) کا وجود ہے۔ اس لئے خدا کے سوا کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے وہ خدا ہی ہے یعنی ہر شے خدا ہے کیونکہ وحدت، کثرت کی صورت میں ظاہر ہے مراد سب وہی (اللہ) ہے۔ فلسفہ ہمہ اوست کا بھی یہی نظریہ ہے۔ ہمہ اُوست کے معنی یہ ہیں کہ سب وہی (اللہ تعالیٰ) ہے۔

فقیر اپنی رائے کے اثبات کیلئے حضرت ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کے پیروکار خاص محترمی ڈاکٹر محسن جہانگیری کے مضمون ''وحدت الوجود'' صفحہ نمبر 201 کا حوالہ عرض کرتا ہے ۔ڈاکٹر محسن جہانگیری لکھتے ہیں؛

''آخر میں ہم وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو تصریحاً وحدت الوجود کے بارے میں ہے اور جس پر سب سے زیادہ جرح و نقد اور بحث مباحثہ ہوتا رہا ہے''

'' فسبحان من الظهر الاشياء وهو علينها''

ترجمہ: ''پاک ہے وہ جس نے اشیاء کو ظاہر کیا اور وہ ان اشیاء کا عین ہے۔''

فما نظرت عينى الى غير وجهه

وما سمعت اذنی خلاف کلامه

فکل وجود کان فیه وجوده

وکل شخیص لم یزل فی منامه

ترجمہ: میری آنکھ نے اس کے چہرے کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ میرے کان نے اس کے کلام کے سوا کچھ نہیں سُنا، پس ہر چیز کا وجود اسی میں ہے۔ اور ہر شخص ہمیشہ اُسی کی آرام گاہ میں ٹھکانا کرتا ہے۔"

اے دوست! حقیقی اور سچی وحدانیتِ الٰہی یہی ہے کہ "یہ کائنات و مافیہا سب باطل اور فرضی ہیں یعنی ذہن ونظر کا فریب ہیں مراد سب غیر حقیقی ہیں۔ حقیقی وجود اللہ تعالیٰ کا ہے جو قدیم، دائم، قائم احد، واحد اور حیٌّ قیُّوم ہے۔ اسکی ذات ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی شریک اور عین نہیں۔ یہی اسلامی نظریہ وحدانیتِ الٰہی ہے۔ فقیر اسلامی نظریہ وحدانیتِ الٰہی کا پیروکار ہے۔

4۔ ڈاکٹر ابوسعید نورالدین کا نقطہ نظر:

ڈاکٹر ابوسعید نورالدین کے مقالہ "تصور وحدت الوجود کا تدریجی ارتقاء" جسے ڈاکٹر وحید عشرت نے "فلسفہ وحدت الوجود" (مقالات) میں چھپوا کر سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور سے 2008 میں شائع کیا۔ ڈاکٹر ابوسعید نورالدین اپنے مقالہ کے صفحہ نمبر 38 پر وحدت الوجود کے بارے میں رقمطراز ہیں؛

زمانہء قبل از اسلام میں افلاطونی خیالات فلسفہ کو افلاطونیت کی شکل میں مشرق وسطیٰ کے مختلف ممالک میں پھیل گئے تھے۔ چنانچہ اسکندریہ اور مدائن (جندشاپور) فلسفہ مذکورہ کے خاص مراکز تھے۔ اشاعت اسلام کے بعد خلفائے عباسیہ کے دور حکومت (۱۳۲ھ۔۔۶۵۶ھ) میں بہت سے یونانی علوم کا، جن میں "فلسفہ افلاطونیت" میں شامل تھا، عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

''فلسفہ افلاطونیت'' میں سے جونظریہ مسلمان صوفیا کے دل ودماغ پرسب سے زیادہ اثرانداز ہوا، وہ نظریہ ''وحدت الوجود'' ہے۔

''وحدت الوجود'' سے مراد یہ ہے کہ ''وجود'' یا ''ہستی'' صرف ''واحد'' ہے، باقی ''ہمہ'' ''عدم'' ہے۔ ''وجود واحد'' کے علاوہ وجود کائنات ومافیہا کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کو دوسرے الفاظ میں ''ہمہ اوست'' کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے کائنات ومافیہا، یعنی جو کچھ چشم ظاہری سے نظر آتا ہے، سب کا سب اسی ''وجودِ واحد'' کا جلوہ ہے۔ اس سے الگ کوئی شے نہیں۔

5۔ فقیر کا نقطہ نظر:

ڈاکٹر ابوسعید نورالدین نے ''وحدت الوجود'' اور "ہمہ اوست" کی جو تعریف کی ہے اس میں کھلا تضاد ہے جو یقیناً کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے اس لئے لازم ہے کہ اس کا ازالہ کیا جائے۔

ڈاکٹر ابوسعید نورالدین ''وحدت الوجود'' کی تعریف درج ذیل الفاظ میں یوں کرتے ہیں:

''وحدت الوجود'' سے مراد یہ ہے کہ ''وجود'' یا ''ہستی'' صرف واحد ہے باقی ''ہمہ'' (سب) عدم ہے اور ''وجودِ واحد'' کے علاوہ وجودِ کائنات ومافیہا کا کوئی اعتبار نہیں۔

یہ تعریف "وجودِ واحد" کی ہے نہ کہ وحدت الوجود کی کیونکہ تعریف میں "وجودِ واحد" کا اثبات کیا ہے اور کائنات کو فانی کہا گیا ہے جب کہ وحدت الوجود کی تعریف یہ ہے کہ "سب وجودوں کی وحدت کو وحدت الوجود کہتے ہیں اور کائنات ومافیہا فانی نہیں بلکہ اسی وجودِ واحد کا جلوہ ہے۔ "وجودِ واحد" کی تعریف عین اسلامی ہے اور جو حضرات وجودِ واحد کو وحدت الوجود خیال کرتے ہیں وہ درست نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے "وحدت الوجود" کی تعریف کرتے ہوئے "کائنات ومافیہا" کو بے اعتباری (فانی) کہا ہے اور ہمہ اُوست کی تعریف کرتے ہوئے اسی کائنات ومافیہا کو "وجودِ واحد" کا جلوہ کہا ہے یعنی "کائنات ومافیہا" فانی نہیں جو عین تضاد ہے۔ فلسفہ وحدت الوجود

اور ہمہ اُوست میں یہ نظریہ مشترک ہے کہ وحدت کثرت کی صورت میں ظاہر ہے۔

ہمہ اُوست کی تعریف:

ہمہ اُوست کے معنی ہے کہ سب وہی (اللہ) ہے۔فلسفہ ہمہ اُوست میں کائنات و مافیہا فانی نہیں کیونکہ سب وہی (اللہ) ہے ڈاکٹر صاحب ''ہمہ اُوست'' کی تعریف درج ذیل الفاظ میں یوں کرتے ہیں:

''کائنات ومافیہا یعنی جو کچھ چشم ظاہری سے نظر آتا ہے سب کا سب
اسی ''وجودِ واحد'' کا جلوہ ہے۔اس سے الگ کوئی شے نہیں''

6۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کا نقطہ نظر:

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، فتاویٰ عزیز میں لکھتے ہیں: ''اللہ کی وحدانیت کے دو معنی ہیں، علماء ظاہر کے نزدیک وحدانیت کے معنی یہ ہیں کہ معبود صرف ایک ہے دوسرا کوئی معبود نہیں۔ حضرات صوفیہ کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ موجود صرف ایک ہے دوسرا کوئی موجود نہیں۔'' (الطاف احمد اعظمی کے مقالہ وحدت الوجود (معنی ومفہوم) سے نقل کیا ہے)۔

7۔الطاف احمد اعظمی کا نقطہ نظر:

الطاف احمد اعظمی کا مقالہ '' وحدت الوجود تعریف وتوجیہ'' جسے ڈاکٹر وحید عشرت نے فلسفہ وحدت الوجود (مقالات) میں چھپوا کر سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور سے سن 2008 میں شائع کیا ہے۔ الطاف احمد اعظمی تحریر کرتے ہیں کہ صوفیہ ''وحدت الوجود'' کو اصل توحید سمجھتے ہیں۔ ان کے یہاں توحید کے معنی وجود کی وحدت کے ہیں یعنی وجود حقیقی صرف ایک ہے جو تمام موجودات میں ان کا عین وجود بن کر سرایت کئے ہوئے ہے۔ موجوداتِ عالم کی حیثیت محض حجاب کی ہے یا وجودی زبان میں وجود مطلق کے تشخصات وتعینات ہیں اس لئے عالم عین حق ہے (العالم عین الحق)

وجودی صوفیہ کے دو بڑے گروہ ہیں، ایک کو ''وجودیہ عینیہ'' اور دوسرے ''وجودیہ ورائیہ'' کہا جاتا ہے۔ اول الذکر گروہ یعنی وجودیہ عینیہ ہی عالم کو عین حق کہتا ہے۔ صوفیہ کی اکثریت اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے اور محی الدین ابن عربی اس گروہ صوفیہ کے سرخیل ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں اسی گروہ کے فکر و فلسفہ پر بحث و تنقید کی گئی ہے۔

دوسرا گروہ جو ورائیہ کہلاتا ہے، اس سے اس کتاب میں کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ یہ لوگ ذاتِ حق (لاہوت) کو کائنات سے ماوراء الوراء خیال کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر کائناتی کثرت اور ذات حق میں موقع و محل اور ظرف وجود کا جو فرق ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کائنات موجودات ذات حق کے ذاتی کمالات اور صفاتی محاسن (اسماء و صفات) کی مظہر ہے۔ اس کو سادہ زبان میں یوں سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ باعتبار ذات کائنات خلقت سے جدا ہے لیکن باعتبار صفاتِ کمالات اس سے قرب و اتصال رکھتا ہے اور یہ عالم رنگ و بو اس کی صفات کمال کی جلوہ گری ہے۔ اس نظریے پر علمی حیثیت سے بحث و تنقید تو کی جاسکتی ہے لیکن اس میں کوئی چیز خلاف اسلام نہیں ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی نے ''شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ'' میں اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ''عبقات'' میں لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے رسالے ''سطعات'' اور کسی قدر ''لمعات'' سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن ان کی بعض دوسری تحریروں میں معاملہ اس کے برعکس ہے مثلاً ''تفہیمات الٰہیہ'' میں جو خط ''مکتوب مدنی'' کے نام سے ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ عینی مسلک رکھتے تھے۔ اس میں انہوں نے کھل کر ابن عربی کے خیالات کی حمایت کی ہے اور وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور یہ بات ثابت و مسلم ہے کہ ابن عربی گروہ عینیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اس

کے باوجود راقم کا خیال ہے کہ شاہ صاحب فی الواقع ورائی فکر رکھتے تھے۔مکتوب مدنی میں جو عینی خیالات ملتے ہیں وہ ان کے فکر کے ابتدائی نقوش کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہمارے جن علماء و متکلمین نے وحدۃ الوجود کی مخالفت کی ہے ان میں امام ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن الجوزیؒ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ طبقہ صوفیہ میں شیخ علاء الدین سمنانیؒ (متوفی ۷۳۶ھ) حضرت سید محمد گیسو دراز (متوفی ۸۲۶ھ) اور مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ اول الذکر دو اصحاب نے وحدۃ الوجود کی مخالفت تو کی لیکن انہوں نے اس نظریے کے بالمقابل کوئی نظریہ پیش نہیں کیا اور نہ ہی کشف کی بنیاد پر اس کی تردید کی۔ اس اعتبار سے مجدد صاحب کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ انہوں نے عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ کشف کی بنیاد پر بھی اس نظریہ کی تغلیط کی اور اس کے بالمقابل ایک دوسرا نظریہ وحدۃ الشہود کے نام سے پیش کیا۔

شہودی نظریہ دراصل وحدۃ الوجود کی اصلاح کرتا ہے۔ یہ نظریہ کثرت موجودات میں وجود حقیقی کی وحدت کا مشاہدہ ہے۔ اس میں وجود اشیاء کی نفی نہیں کی جاتی ہے کہ وہ امر واقعہ ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کا وجود غیر حقیقی اور ظلی ہے۔ ان کا قیام و بقا وجود حقیقی کی مشیت پر موقوف ہے۔ مجدد صاحب نے موجوداتِ عالم کو اللہ کے اسماء و صفات کے عکوس و ظلال سے تعبیر کیا ہے۔ اس تعبیر کے مطابق کائنات خلقات کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے علمی کمالات و محاسن کے مظہر کی ہے جس کو وجودی صوفیہ خود حق تعالیٰ کو اس کی باطنی حقیقیت (عین) بتاتے ہیں۔

فی الواقع وجودی صوفیہ نے وحدۃ الوجود کی صورت میں جس مسئلہ کو حل کرنا چاہا ہے وہ قدیم و حادث یا دوسرے لفظوں میں خلاق و مخلوق میں ربط و تعلق کا مسئلہ ہے۔ علامہ اقبال نے Reconstruction of Religious Thought in Islam کے بالکل آغاز میں چار سوالات قائم کیے ہیں۔ (ان سوالات کا جواب صفحہ 59، 60 اور 61 پر دیکھئے)

۱) وہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں اس کی ساخت وترکیب کیا ہے؟

۲) کیا اس ترکیب میں دوامی عنصر موجود ہے (یعنی کیا وہ قدیم ہے؟

۳) اس کائنات سے انسان کا کیا تعلق ہے اور اس میں اس کا کیا مقام ہے؟

۴۔ اس مقام کے اعتبار سے اس کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟

تصوف کے بھی کم وبیش یہی بنیادی سوالات ہیں۔ ہم کو اس پر اعتراض نہیں کہ صوفیہ نے مابعد الطبیعاتی مسائل سے کیوں تعرض کیا، بلکہ اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے ان سوالات کا جواب یونانی، ویدانتی اور نوفلاطونی افکار کی شکل میں کیوں دیا اور کیوں انہوں نے اس بحث میں قرآن مجید کو بطور ضمیمہ استعمال کیا یہاں تک کہ وجودی فکر کی حمایت کے جوش میں اس کی آیات کی غلط تاویل کی اور تحریف کی سرحد تک پہنچ گئے، یہی سلوک انہوں نے احادیث صحیحہ کے ساتھ کیا اور حد یہ ہے کہ اس معاملہ میں انہوں نے کذب بیانی سے بھی دریغ نہیں کیا:

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

قرآن مجید میں بتکرار یہ بات کہی گئی ہے کہ کائنات موجودات کا یک ہی خالق ومالک ہے اور وہی براہ راست اس پر حاکم ومتصرف بھی ہے۔ نہ خلق میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ تدبیر امر میں (الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین) اسی بات کو ایک جامع کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کلمہ کائناتی اقتدار کی وحدت کا اعلان یعنی اس بات کا اعلان کہ عالم موجودات کا مقتدر اعلیٰ (الہ) واحد ہے اور وہ اللہ رب العزت ہے۔ اس کے سوا اس کائنات میں جو وجود بھی ہے وہ عاجز و بے اختیار ہے، خالق نہیں مخلوق ہے، مالک نہیں مملوک ہے، معبود نہیں عبد ہے۔ ہر چیز کا وجود و بقا اس کے ارادہ ومشیت پر منحصر ہے (کن فیکون) رہا یہ مسئلہ کہ فاطر ومفطور میں کیا نسبت وعلاقہ ہے تو اس کی تشریح نہیں کی گئی ہے اس لئے کہ اس کا ادراک عقل انسانی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے سورۂ البقرہ کے آغاز ہی میں فرمایا گیا ہے: یومنون

بالغیب ''وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں'' روح کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا اوما اوتیتم من العلم الاقلیلا (بنی اسرائیل۔۵۸) ''تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔''

لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے مظاہر عالم کو اپنی نشانی (آیات) بھی بتایا۔ کس بات کی نشانی؟ الٰہ واحد ہونے کی نشانی یعنی مظاہر اس بات کی نشانی ہیں کہ اس کے پس پردہ جو ذات واجب الوجود اپنے بے مثال علم وقدرت کے ذریعہ حاکم وآمر ہے وہ ایک ہے متعدد نہیں، نہ باعتبار ذات اور نہ باعتبار صفات۔ اسی کائناتی حقیقت کے علم وعرفان کا نام توحید اور اس سے فکری وعملی انحراف کا نام شرک ہے۔ لیکن مقام عبرت ہے کہ وجودی صوفیہ نے اس پوری قرآنی تعلیم کو یکسر بدل ڈالا اور اس کے طغرائے امتیاز لا الہ الا اللہ کو تبدیل کر کے لاموجود الا اللہ کر دیا یعنی وحدت الوہیت (وحدت اقتدار) کے تصور کی جگہ وحدت وجود کے تصور نے لے لی اور شرک کا مفہوم بھی تبدیل ہو گیا۔

وحدت الوجود کے نظریہ نے تنزلات (ستہ) کی صورت میں جو گل کھلایا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہلاکت آفرین ہے۔ وجودی تنزلات میں آخری تنزل کا نام جو دیگر تنزلات کا جامع ہے۔ خود انسان ہے۔ جب وہ عروج حاصل کرتا ہے تو تمام مراتب اس میں انبساط کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور وہ انسان کامل کے لقب سے ملقب ہوتا ہے۔ اور یہ دراصل اولیاء وقطاب ہیں جن میں وجود حقیقی کا ظہور اپنی کامل ترین صورت میں ہوتا ہے۔ اس طرح نہایت خوبصورتی سے اولیاء اللہ کو لباس تنزلات میں الوہیت کے درجہ پر فائز کر دیا گیا ہے۔

وجودی صوفیہ کی فکری خطا کی ایک بڑی وجہ تمثیلات سے ان کا غیر معمولی اُنس وشغف ہے۔ چنانچہ انہوں نے وحدۃ الوجود کی تشریح میں کثرت سے مثالیں دی ہیں، مثلاً قطرہ و دریا موج وحباب، پانی اور برف، آگ کی تاثیر سے لوہے کا سُرخ ہو جانا۔ انسان کے اندر جنات کا دخل وحلول، شے اور اس کا سایہ، آئینہ میں صورتوں کا نظر آنا (عکس مرایا) تخم وشجر، نقش خاتم، اعداد

میں ایک کا عدد وغیرہ۔ راقم کے خیال میں انہی مثالوں نے انہیں فکری طور پر گمراہ کیا اور غلط نتائج تک پہنچایا۔ بلاشبہ عالم محسوسات سے متعلق اُمور کے افہام و تفہیم میں مثالیں مفید ثابت ہوتی ہیں اور کسی حد تک عالم نامشہود کے احوال کے بیان میں بھی، لیکن حق تعالیٰ اور اس کی صفات کے بیان میں حتیٰ الامکان تمثیلات سے گریز کرنا چاہیے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: فلا تضربو اللہ الامثال (نحل۔۷۴) ''اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔'' اور اگر مثالیں دینا ناگزیر ہو جائے تو پھر وہ مثالیں دی جائیں جو اس کے شایان شان ہوں (ولہ المثل الاعلیٰ فی السمٰوٰت والارض: روم۔۲۷) وجودی صوفیہ نے جو مثالیں دی ہیں وہ حد درجہ ناقص ہیں اور گمراہ کن بھی۔

اس فکری خطا کی ایک دوسری بڑی وجہ منطق بھی ہے۔ بلاشبہ منطق معقولات اور محسوسات دونوں میں صحیح طور پر استخراج نتائج کے لئے ایک ضروری اور مفید فن ہے لیکن اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کی ذات کی تفہیم و ادراک میں مفید ہونے کے بجائے حد درجہ مضرت رساں ہے۔ اس لیے کہ منطق کے سارے استدلالی اصول انسانی دماغ کے ساختہ ہیں اور انسانی دماغ بہر حال محدود ہے اور قلیل البِضَاعَتْ بھی۔

مثلاً، منطق میں ایک چیز قضیہ ضروریہ ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ قضیہ ضروریہ مطلقہ۔ ۲۔ قضیہ ضروریہ شرطیہ (یا مقیدہ)۔ انسان ناطق ہے، یہ قضیہ ضروریہ مطلقہ ہے، کیونکہ ہر انسان بلا کسی قید کے ناطق ہے اور انسان ہونے کے لئے اس کا ناطق ہونا ضروری ہے۔ قضیہ ضروریہ کی دوسری قسم کی مثال ہے: زید متحرک اللسان ہے جب کہ وہ تقریر کر رہا ہوتا ہے۔ اس سے زید کے متحرک اللسان ہونے کے لئے اس کا ناطق ہونا ضروری ہوا۔ معلوم ہوا کہ فعل نطق جو مجرد ہے وہ تحرک لسان میں (جو شہادی ہے) شریک ہے۔ اس منطقی اصول پر وجودی صوفیہ نے ثابت کرنا چاہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو مجرد (جوہر لطیف) ہے وہ عالم شہادت کے مظاہر میں دخیل ہے۔ اس منطقی اصول نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی اہل نظر سے مخفی نہیں۔ وجودی صوفیہ نے

140796

منطق کے دوسرے اصولوں کا بھی بے دریغ استعمال کیا ہے جیسا کہ آپ کو کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔

راقم کا احساس ہے کہ اکثر علماء وصوفیہ نے وحدت الوجود کے نظریے کو ایک علمی مسئلہ کی حیثیت سے دیکھا اس سے مرتب ہونے والے فکری وعملی نتائج پر انہوں نے سنجیدگی سے غور نہیں کیا اور یا پھر اس نظریے سے غیر معمولی ذوقی وعلمی مناسبت اور اس سے شدید فکری قربت کی وجہ سے صرف نظر کیا ہے بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نظریے نے اگر ایک طرف مسلمانوں میں شرک داخل کیا یعنی اولیاء پرستی تو دوسری طرف ان کے اندر سے روح جہاد نکال دی۔ جب ایک خدا کے سوا یہاں کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں تو پھر جہاد کس کے خلاف اور کعبہ و بت خانہ تفریق کیسی؟ مزید برآں اس نظریے نے بقول علامہ اقبال مسلمانوں کو ذوق عمل سے محروم کر دیا (مکاتیب اقبال۔ ج ا ص ۴۵)

8۔ وحدت الوجود کے اہم مآخذ:

الطاف احمد اعظمی اپنے مقالہ ''وحدت الوجود تعریف وتوجیہہ'' میں وحدت الوجود کے اہم مآخذ کے بارے درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں: الطاف احمد اعظمی کا یہ مضمون فلسفہ وحدت الوجود (مقالات) میں چھپا ہے جسے ڈاکٹر عشرت وحید نے سنگ میل پبلی کیشنز لاہور (پاکستان) سے سن 2008 میں شائع کیا۔

الطاف احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ وحدت الوجود کا نظریہ دیگر اقوام کے مابعد الطبیعاتی فلسفہ سے ماخذ ہے تو اربابِ تصوف بہت چراغ پا ہوتے ہیں اور اسے ایک الزام بے جا اور تصوف دشمنی قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔ راقم نے جب اس سلسلہ میں بے لاگ تحقیق کی تو اس خیال کو بڑی حد تک صحیح پایا۔

حقیقت یہ ہے کہ بعض جزئی اختلافات سے قطع نظر وحدت الوجود کا نظریہ دوسری قوموں

سے لیا گیا ہے۔ یہ سراسر ایک خارجی چیز ہے اس کا ظاہر و باطن دونوں غیر اسلامی عناصر سے مرکب ہے ۔تاریخی طور پر ثابت ہے کہ یہ نظریہ اسلام سے بہت پہلے موجود تھا۔ ہماری تحقیق کے مطابق اس نظریہ کے اصل مآخذ ویدانت اور نوفلاطونیت (Neoplatonism) ہیں۔ اس لیے یہاں صرف انہیں دو مآخذ سے بحث کی جائے گی۔

ویدانت:

ویدانت (Veda-anta) سے مراد دراصل اپنیشد (Upanisads) ہیں۔ اس بات پر اکثر ارباب علم و تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہ ''الہامی'' وید کے اختتامی حصے ہیں اس لئے ان کا نام اپنیشد رکھا گیا۔

ہندو مذہب میں کرم مارگ اور گیان مارگ دو اہم مذہبی اصول ہیں کرم مارگ سے مراد فرائض کا راستہ اور گیان مارگ سے مراد راہ معرفت ہے۔ اوّل الذکر وید کی اور مؤخر الذکر اپنیشد کی تعلیم ہے۔ وید کے کرم مارگ اختیار کر کے ہی نجات مل سکتی ہے جب کہ اپنیشد اس کی نفی کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ خالق و مخلوق میں تعلق کی نوعیت عابد و معبود کی نہیں ہے کہ اس کی جناب میں عبادت کا نذرانہ پیش کیا جائے۔ انسان کی غایت تخلیق یہ ہے کہ وہ حقیقت اعلیٰ (Brahman) کا فہم و عرفان حاصل کرے جس سے ساری موجودات کا قیام و بقا ہے جس نے ایسا کر لیا اس نے اپنے مقصد تخلیق کا عرفان حاصل کر لیا اور اسے نجات مل گئی۔

فی الواقع ویدانتی تصور، ویدک تصور خدا کے خلاف ایک ردعمل ہے یا یوں کہہ لیں کہ ظاہر سے باطن اور مادہ سے روح کی طرف رجعت ہے۔ ویدوں میں ثنویت (Dualism) کا تصور غالب ہے، ارباب کی کثرت کے تصور نے بالآخر اصنام پرستی کی صورت اختیار کر لی۔ اس میں شک نہیں کہ ویدوں میں ایک مرکزی اقتدار کا تصور بھی موجود ہے لیکن یہ بہت واضح شکل اختیار نہیں کر سکا ہے اور

کثرت ارباب کے تصور نے اسے دھندلا بنا دیا ہے۔لیکن اپنیشد میں مرکزی اقتدار کا تصور بہت واضح شکل میں ملتا ہے۔لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ماننا ہوگا کہ اپنیشد نے ویدوں کے ارباب کے وجود کو ختم نہیں کیا بلکہ مرکزی اقتدار کے اجزائے ترکیبی کی حیثیت سے ان کو باقی رکھا ہے یعنی وحدت میں کثرت کا تصور۔

پوچھا گیا کہ فی الحقیقت کتنے خدا ہیں؟ یجنا والکیہ نے کہا ''ایک''۔اچھا تو بتاؤ کہ اگنی، وایو، آدیتیا کال (وقت) پران (سانس) ان (غذا) برہما، رودرا اور دشنو میں سے ہر ایک کی کچھ لوگ اُپاسنا کرتے ہیں لیکن ان میں سب سے اچھا معبود کون ہے؟ اس نے جواب دیا ''یہ سب جن کا ذکر ہوا دراصل اعلیٰ، غیر فانی اور غیر مادی حقیقت (برہمن) کے محض مظہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس لئے حقیقت اعلیٰ ہی کا دھیان کرنا چاہئے، البتہ اس کے جو مظاہر ہیں انکی بھی آدمی عبادت کرسکتا ہے اور ان کو چھوڑ بھی سکتا ہے۔

ثنویت کو باقی رکھنے کے ساتھ ہی اپنیشد نے ارباب کو رب الارباب کا تابع فرمان بنا دیا۔ وہ رب الارباب کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتے ہیں ''اگنی اس کی مرضی کے بغیر گھاس کا ایک تنکہ بھی نہیں جلاسکتی ہے۔اسی کے حکم سے آگ جلتی ہے، سورج چمکتا ہے اور اس کے حکم سے موت، ہوا اور بادل اپنے مفوضہ فرائض انجام دیتے ہیں۔''

بعض مقامات پر ارباب کو ''رب اعلیٰ'' اور ''واحد'' کے اجزائے ترکیبی کی حیثیت سے بھی پیش کیا گیا ہے۔کچھ لوگ بادشاہ اسواپتی (Asvapati) کے پاس گئے۔اس نے پوچھا ''تم کس کا دھیان کرتے ہو؟ ایک نے جواب دیا ''آسمان'' دوسرے نے ''سورج'' تیسرے نے ''ہوا'' چوتھے نے ''اتھیر'' پانچویں نے ''پانی''۔بادشاہ نے جواب دیا کہ ہر ایک حق (Truth) کے صرف ایک جزء کی عبادت کررہا ہے۔آسمان سر ہے، سورج آنکھ ہے، ہوا سانس ہے، اتھیر دھڑ ہے، پانی، مثانہ (Bladder) اور زمین مرکزی حقیقت کی پیر جو دراصل روح عالم ہے۔'' ایک دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ ''جو شخص کسی دوسرے خدا (Deity) کی پرستش کرتا ہے یہ جان کر کہ وہ دوسرا ہے حالانکہ وہ نہیں جانتا

کائنات اور برہما (برہمن) میں تعلق کی نوعیت:

ویدانتی فلسفہ کے مطابق یہ مرئی کائنات (مظاہر) دراصل خدا (برہما) کا مادی مظہر (corporeal Manifestation) ہے۔ اگر روح عالم (برہما) ایک لمحہ کیلئے بھی اس سے الگ ہو جائے تو تمام مادی اشیاء جو اس سے قائم ہیں، نابود ہو جائیں۔ اس لیے عالم مادی کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہاں بس ایک وجود ہے اور اس کے سوا ہر شے اس کے مظہر کی حیثیت رکھتی ہے۔

میکس مولر نے شنکر اچاریہ کے نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ایک ویدانتی کے نزدیک یہ دنیا برہما سے نکلی ہے لیکن یہ حدوث اس طرح نہیں ہوا ہے جس طرح تخم سے شجر نکلتا ہے بلکہ اس کی مثال سورج کی کرنوں کی ہے۔

یہی بات منوشاستر میں بھی کہی گئی ہے۔ ''روح مطلق برہما تمام مخلوقات میں ساری ہے خواہ وہ اعلیٰ درجہ کی ہوں یا ادنیٰ درجہ کی۔ اس سے بے انتہا شکلیں اس طرح نکلتی ہیں جس طرح آگ سے چنگاریاں۔

اپنیشد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ برہما عالم موجودات سے ماورا نہیں ہے بلکہ اس میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ یہ وہ ہے جس سے تمام چیزیں نکلی ہیں اور نکل کر اسی میں رہتی ہے۔ اور (بعد فنا) اسی میں واپس چلی جاتی ہے۔ تمام چیزوں کا قیام اسی پر منحصر ہے لیکن وہ خود کسی پر منحصر نہیں ہے۔ جس طرح ایک پہیے کے تمام اجزاء اس کے محور سے جڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح تمام موجودات، تمام دیوتا، تمام عوالم اور تمام اجزائے عالم اسی ایک وجود (وجود حقیقی) سے جڑے ہوئے ہیں۔ ''غیر فانی برہما اس قدیم درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں اوپر کی طرف اور شاخیں اندر کی طرف ہوتی ہیں۔ تمام عالم اس میں سرایت کیے ہوئے ہے اور کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہے۔ وہ آنند یا برہمن ہے، اسی سے تمام چیزوں کا صدور ہوا ہے، اسی پر تمام اشیاء کے قیام و بقا کا انحصار ہے اور اسی میں تمام چیزوں کو تحلیل ہو جانا ہے۔

کائنات کا باطن بھی برہما ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور اس کا ظاہر بھی برہما ہے چنانچہ اس کی تعریف میں ایک جگہ کہا گیا ہے ''یہ وہ ہے۔۔تمام مخلوقات کی اندرونی آتما۔۔۔جس کا سر اگنی، جس کی آنکھیں سورج اور چاند ہیں جس کے کان چار سمتیں ہیں، جس کی گویائی وید ہیں جو اس سے نکلے ہیں ،جس کی سانس ہوا ہے جس کا دل یہ تمام کائنات ہے اور جس کے پیروں سے یہ زمین نکلی ہے۔

وید کے بھجنوں میں خدا کا جو سب سے اعلیٰ تصور ملتا ہے وہ اپنیشد کے مذکورہ تصور سے بڑی مشابہت رکھتا ہے چنانچہ ایک جگہ کہا گیا ہے ''ہستی حق (Ekam Sat) تمام انواع موجودات کی صورت میں خود کا عرفان حاصل کرتی ہے۔یعنی عالم کی تخلیق اس نے اس لیے کی ہے تا کہ وہ خود اپنا مشاہدہ کر سکے۔

برہما اور انسانی روح (آتما):

یہ تخیل نہایت قدیم ہے کہ اس کائنات کی حقیقت اعلیٰ یعنی خدا کا سب سے کامل ظہور انسان کے اندر ہوا ہے اس لئے خدا کی جستجو خارج (علام موجودات) میں کرنے کے بجائے انسان کو خود اپنے باطنی وجود میں کرنی چاہئے۔اس سلسلے میں آگسٹائن (Augustine) کے خیالات ملاحظہ ہوں۔

''میں نے زمین سے خدا کے بارے میں پوچھا، اس نے کہا میں وہ نہیں ہوں۔ میں نے سمندر سے پوچھا، اس کی گہرائیوں اور اس میں رینگنے والی چیزوں سے پوچھا اور انہوں نے جواب دیا ''ہم خدا نہیں ہیں ہم سے اوپر جا کر تلاش کرو'' میں بادصبا اور ہوائی کائنات سے اور اس کے ساکنین : سورج چاند اور ستاروں سے پوچھا۔انہوں نے کہا ''جس خدا کے تمام طالب ہو وہم میں سے کوئی نہیں ۔''میں نے ان تمام چیزوں سے بھی پوچھا جو میرے گوشت کے راستوں میں واقع ہیں (یعنی حواس) تم کہتے ہو کہ وہ تم نہیں ہو، مجھے میرے خدا کے بارے میں ضرور کچھ بتاؤ۔انہوں نے چیخ کر کہا ''وہ ہمارا خالق ہے۔'' جستجو جاری رہی یہاں تک کہ اپنے باطنی وجود (inward Self) سے سوال کی جواب ملا ''تمہارا خدا خود تمہارے اندر ہے، تمہاری زندگی کی زندگی (The Life of the life)''

ہندو فلسفہ نے روح انسانی کو اس دنیا میں ایک مشاہد قرار دیا ہے اور اس کا مقام عمل سے کہیں

زیادہ تصور میں ہے۔ وہ خود خدا کی تبدیل شدہ صورت نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ ہے۔ خدا سے اس کا تعلق غلام اور آقا جیسا نہیں بلکہ اس کے تعلق کی نوعیت کل اور جزء کی سی ہے۔ یہ ایک چنگاری کی طرح ہے جو شعلہ سے الگ ہو جاتی ہے۔ یہ ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی رہتی ہے، اعلیٰ سے اسفل میں اور دوبارہ پھر زندگی کے اعلیٰ مرتبہ میں، بالکل پانی کے قطرہ کی طرح کہ پہلے بادل کی صورت میں پھر بارش پھر دریا پھر نباتات اور پھر حیوانات کے ایک حصہ کے طور پر اور انجام کار ایک ایسا وقت آتا ہے کہ وہ سمندر تک پہنچ جاتا ہے جہاں سے وہ آیا تھا۔ اسی طرح روح (آتما) کے مختلف مدارج ہیں لیکن آخرالامر وہ خداوند اعلیٰ میں واپس چلی جاتی ہے جہاں سے آئی تھی۔

اپنیشد میں روح کی تشریح مختلف طور پر کی گئی ہے لیکن یہ بات متفق علیہ ہے کہ وہ باعتبار اصل برہما ہے اگرچہ گوشت پوست کے ڈھیر میں ہماری نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے۔

The Soul is Divine in orgin through colgged with flesh.

روح کے چار درجات بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے تیسرا درجہ گہری نیند کا ہے (Sleeping) گہری نیند کی حالت میں روح (اسپرٹ) ایک ایسے مقام پر جو پر تغیر زندگی سے بلند ہوتی ہے، برہما کے ساتھ کامل اتحاد کی حالت میں رہتی ہے۔ ایک دوسری جگہ یہی بات کہی گئی ہے لیکن برہما کی جگہ ست کا لفظ ہے۔

When a man sleeps here, then, my dear, he becomes united with the Sat.

اپنیشد میں یہ بات متعدد مقامات پر کہی گئی ہے کہ آتما اور برہما ایک ہی ہیں، ان میں عینیت کا علاقہ ہے، ''وہ جو سورج میں ہے وہی آدمی میں ہے اور دونوں ایک ہیں یعنی برہمن۔'' Chandogya Upanisad میں ہے کہ عالم تغیرات کی جو محض اشکال اور اسماء کا مجموعہ، کوئی اصل نہیں۔ اصل حقیقت وہ ہے جو ان کے پس پردہ ہے، ازلی، ناقابل تغیر اور ناقابل تقسیم حقیقت جس کا نام برہمن یا ست ہے اور اسی کا دوسرا نام انسانی خودی (Self) آتما ہے۔

9۔ڈاکٹرمحسن جہانگیری کا نقطہ نظر:

حضرت ابنِ عربی جنہیں انکے پیروکار شیخِ اکبر بھی کہتے ہیں، انہوں نے اپنے تصوف کے روحانی سفر کو ''وحدت الوجود'' کے نام سے روشناس کرایا اور اکثر صوفیائے کرام پاک و ہند اسی فلسفہ کے پیروکار ہیں۔

ڈاکٹرمحسن جہانگیری نے اپنے مقالہ ''وحدت الوجود'' میں حضرت ابن عربی کے خیالات کی تشریح کی ہے جو درج ذیل الفاظ میں بیان کئے جاتے ہیں۔ڈاکٹر وحید عشرت نے ڈاکٹرمحسن جہانگیری کے مقالہ کو فلسفہ وحدت الوجود'' (مقالات) میں چھپوا کر سنگ میل پبلی کیشنز لاہور (پاکستان) سے سن 2008 میں شائع کیا۔

ابنِ عربی کے تصوف میں عقیدہ وحدت الوجود:

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وحدت الوجود اپنی مروجہ شکل اور موجودہ شرح و تنظیم کے ساتھ محی الدین ابنِ عربی سے پہلے کے اسلامی علوم میں نظر نہیں آتا۔وہ عالم اسلام کے پہلے صوفی عارف ہیں جن کے ہاتھوں اس کی بنیاد پڑی۔اپنے صفائے باطن، بلندی احوال، وسعتِ معلومات اور کثرتِ اطلاعات نیز قدرتِ کلام اور قلم کی طاقت کے ساتھ ابنِ عربی نے اس نظریئے کو ایسے شرح وبسط سے بیان کیا اور اس کی تمام جزئیات اور نتائج کو اتنی گہرائی میں جا کر کھولا کہ ایک نئے نظام فکر اور ایک نادر عرفان کا ظہور ہوا۔کیا دوست کیا دشمن، کیا موافق کیا مخالف سبھی نے اس کی تحسین کی اور انہیں تصوف میں صاحب فضل و تبحر اور وحدت الوجود میں تقدم کا حال مانا اور شیخ کو وحدت الوجود کے قائلین کے قائد اور پیشوا کے طور پر پہچانا۔اس کے بعد اس مسلک کے بارے میں نظم یا نثر کسی بھی پیرائے میں جس کسی نے بھی کچھ کہا، وہ انہیں کے عقائد کی شرح، نقل یا وضاحت سے عبارت تھا۔۔آگے چل کر ہم ان کے وحدت الوجودی عرفان کی گہری تاثیر اور اس کے وسیع نفوذ کے بارے میں الگ سے گفتگو کریں گے جس میں اسلامی تصوف پر ان کے اثرات کا عمومی تذکرہ ہوگا اور ایران میں عرفانِ اسلامی پر ان کے اثرات پر

خصوصی توجہ دی جائے گی۔

اس امر واقعہ کے آشکار ہونے کے باوجود ابن عربی کے باکمال اور وفادار پیروکار عبدالوہاب شعرانی نے یہ کوشش کی ہے کہ شیخ کے اقوالِ وحدت الوجود کو ان سے منسوب کرنے کی نفی کی جائے اور ان اقوال کی اس انداز میں تعبیر کی جائے کہ وہ وحدت شہود سے سازگار معلوم ہوں کیونکہ شعرانی کے خیال میں مذہب وحدت الوجود اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے اور کفر والحاد پر مبنی، لہٰذا ابن عربی جیسے مسلمان ولی، جو بڑے اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں کے شایان شان نہیں۔ ڈاکٹر محمد غلاب نے بھی حال ہی میں تحریر کردہ اپنے ایک مقالے میں ابن عربی سے وحدت الوجود کو منسوب کرنے سے انکار کیا ہے اور ان کے مقام کو اس سے بالاتر قرار دیا ہے اور ضمناً ان لوگوں کو غلطی پر بتایا ہے جو ابن عربی کو وحدت الوجودی سمجھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ابنِ عربی ''اللہ'' کو ہر اعتبار سے مغائر بہ موجودات اور مخلوقات سے الگ سمجھتے ہیں۔۔ یعنی یہ کہ وہ ثنویت، وجود کے معتقد تھے۔ جب کہ ہم گزشتہ صفحات میں یہ تذکرہ کر چکے ہیں کہ وہ صرف وحدت الوجودی نہیں تھے، بلکہ عالمِ اسلام میں اس مسلک کے سب سے بڑے پیشوا اور صحیح معنوں میں مؤسس تھے، لہٰذا شعرانی نے جو وحدت الوجود کی نفی کی ہے اور ابنِ عربی کو جنید اور ان جیسے دوسرے اولین صوفیہ مثلاً شبلی ذوالنون کی طرح کی وحدت الشہودی بتایا ہے اور ان کے اقوال کی اس انداز میں تفسیر کی ہے کہ وہ وحدت شہود سے سازگار نظر آئیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر غلاب نے بھی جو ابن عربی سے وحدت الوجود کی نفی کی ہے اور نتیجتاً انہیں ثنویت کا قائل بتایا ہے، تو ان دونوں حضرات کے خیالات ناروا، تفسیر غلط اور اقوال بے جا ہیں، کیونکہ ابن عربی کی تمام کتابوں اور آثار، بالخصوص ''فتوحات مکیہ'' اور فصوص الحکم میں اس بات کی پختہ سند اور محکم دلیل ملتی ہے کہ وہ نہ وحدت الوجود کے قائل تھے بلکہ وحدتِ وجود ان کے دین اور روح اور فکر کا محور تھا اور ان کے عرفان کی اساس اور دارومدار، اور ان کے افکار و خیالات پر اگر کوئی چیز حکم ہو سکتی ہے تو یہی وحدت وجود ہے۔ ان کے عرفان اور نظام فکر میں تمام اہم فلسفیانہ، کلامی اور عرفانی، مباحث مثلاً خدا اور صفات، الٰہیہ، انسان اور معارف انسانیہ نیز حیات، روحانی، محبت الٰہی، ادیان و مذاہب، آداب، و اخلاق بلکہ دنیا و آخرت

کے سبھی امور اسی اصل سے متفرع ہوتے ہیں اور انہوں نے وحدتِ وجود کو ہر چیز کی اصل اور معیار قرار دیا ہے، وہ ہر چیز کو اسی طرف لوٹا دیتے ہیں، حتیٰ کہ اپنے دین کو بھی۔ کیونکہ وہ دین کی بھی اس طرح تفسیر وتاویل کرتے ہیں کہ وہ وحدت الوجود کے اصول سے سازگار ہو جائے اور اس سلسلے میں شرح وبسط کے تمام امکانات بروئے کار لاتے ہیں۔ اپنی تحریروں میں کہیں اگر ذرا سی مناسبت اور چھوٹا سا بہانہ بھی پاتے ہیں تو بڑے ذوق وشوق سے گوناگوں پرشکوہ عبارات میں اس اصول کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس کے بیان اور تائید کے لئے عقل ونقل اور کشف وذوق بلکہ ہر ممکنہ چیز سے استفادہ کرتے ہیں۔ بنابریں جو شخص بھی ان کے آثار سے تھوڑی سے آشنائی بھی رکھتا ہو اسے یہ شک کرنے کی مجال نہیں ہوسکتی کہ وحدت الوجودی عرفان کے سب سے بڑے پیشوا اور صحیح معنوں میں اس کے قائل ہیں۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن عربی کے وحدت الوجود کے بارے میں کچھ تحریر کیا جائے اور ان کے خیالات کو فہم عامہ سے قریب کرنے کے لئے اور دقیق نکات کی توضیح اور صاف عبارت میں لکھنے کیلئے ان کی کتابوں کے علاوہ ان کے شارحین اور مفسرین کی شرحوں اور تفسیروں سے بھی مدد لی جائے تا کہ ہم یہ چیز پیش نظر ہے کہ ابن عربی کا وحدت الوجود اس صورت میں پوری طرح قابل فہم ہوگا جب ان کے بیان کردہ دیگر مباحث مثلاً تشبیہ، وتنزیہہ، اسماء وصفات، حق، اعیان ثابتہ، خالق ومخلوق کا رابطہ وغیرہ کا مطالعہ دقتِ نظر سے کیا جائے، کیونکہ یہ سب مباحث اصول وحدت الوجود ہی کی توضیحات ہیں، لہٰذا ہم وحدت الوجود کے بارے میں مختصراً گفتگو کرنے کے بعد مذکورہ بالا عنوانات کے تحت الگ الگ توضیحات درج کریں گے۔ ہماری خواہش ہے کہ قاری مسئلے کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے ان مباحث کو بھی غور سے دیکھے۔

ابن عربی کے وحدت الوجود پر ایک گفتگو:

ابن عربی کا خیال یہ ہے کہ حقیقت وجود اصل ہے، تمام آثار کا منشاء ہے، بالذات دافع عدم ہے، خیر محض ہے، واحد ہے اور اس کی وحدت شخصی ہے نوعی نہیں، ذاتی ہے عددی نہیں، جملہ شروط سے آزاد ہے، حتیٰ کہ شرطِ اطلاق سے بھی، تمام قیود سے مطلق ہے حتیٰ کہ قید اطلاق سے بھی علمائے

معقولات نے کلی طبیعی کے بارے میں جوکہا ہے بالکل اسی طرح یہاں بھی وجود واحد ہے، اور موجود یعنی موجودہ قائم بالذات جوحقیقت وجود کا پانے والا ہے، ''وجدان الشئی نفسه'' کی قبیل سے ہے اور واحد ہے۔ حقیقت وجود وموجود مذکورہ معنی کے مطابق حق تعالیٰ سے عبادت ہے جو وجود صرف، وجود خالص اور وجود واجب ہے، خیر محض ہے اور تمام قیود وشروط سے ماوراء ہے۔ جملہ آثار کا مبدء ومنشاء ہے ایسی عالم ہستی میں صحیح معنوں میں بس ایک ہی حقیقت، ایک ہی وجود اور ایک ہی موجود ہے اور وہ حق تعالیٰ ہے، بناء بریں یہ کہنا درست ہے ''لا وجود ولا موجود الا اللہ'' یعنی حق تعالیٰ کے سوا وجود صرف اور موجودِ حقیقی کوئی نہیں۔ غرض یہ حقیقت بحث اور یہ حق واحد شؤن واطوار اور تجلیات وتعینات میں ظاہر ہوتی ہے۔ مرتبہ علم میں اسماء اور اعیانِ ثابت کے پیرہن میں، مرتبہ ء ذہنی اور مرتبہ خارج میں مظاہر اعیان اور موجودات خارجی میں ظہور کرتی ہے اور اس ظہور وتجلی اور تعین وتطور کے نتیجے میں کثرت پیدا ہوتی ہے اور عالم ظہور پذیر ہوتا ہے پس حق بھی ہے اور خلق بھی، ظاہر بھی متحقق ہے اور مظاہر بھی، وحدت بھی درست ہے اور کثرت بھی۔ القصہ وجودِ حق ذات وجود ہے اور موجود حقیقی۔۔۔ خلق کا وجود اس کا تجلیات اور ظہور کا نام ہے۔ یہاں خلق بمعنی تجلی وظہور ہے۔ ظاہر ایک ہے اور مظاہر کثیر۔ وحدت ذات اور حقیقت وجود میں پائی جاتی ہے جب کہ کثرت اس کی جلوہ گاہ یعنی مظاہر میں۔ بعض لوگوں کو جو اس کثرت کے محض اعتباری اور موہوم ہونے کا خیال گذرا ہے تو وہ درست نہیں، کیوں کہ اس طرح حق اور خلق، ظاہر اور مظاہر رب اور عالم کے درمیان تمیز اٹھ جاتی ہے اور حلول واتحاد اور کفر والحاد پیدا ہوکر شرائع اور احکام الٰہی کے تعطل تک لے جاتا ہے۔ یہ کثرت واقعتاً موجود ہے اور وجود عالم اپنے مرتبے میں متحقق ہے اور حق تعالیٰ کی ذات نے مرتبہ خلق میں تنزل نہیں کیا اور مخلوق کی گھٹیا ذات سے وحدت پیدا نہیں کی اور اس کا عین نہیں بنا، بلکہ حق حق ہے، خلق خلق، ہے، ظاہر، ظاہر ہے، اور مظاہر مظاہر ہیں۔ جیسے کہ ابن عربی کے سخت مخالف ابن تیمیہ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ابن عربی کے عرفان میں ان کے دونوں کے درمیان تمایز پایا جاتا ہے۔۔۔ غرض یہ کہ اگر وہ حقیقت نہ ہوتی تو یہ ظل بھی پیدا نہ ہوتا اور اگر وہ ذات واحد ظاہر نہ ہوتی تو اس کثرت کا ظہور بھی نہ ہوتا، ابن عربی کے ہاں بسا اوقات یہ دیکھنے

میں آتا ہے کہ کبھی وہ حق اور خلق کو ایک دوسرے کا عین کہہ دیتے ہیں اور کبھی غیر۔۔۔جیسے کہ ہم آئندہ سطور میں دیکھیں گے جہاں وہ ان کو ایک دوسرے کا عین کہتے ہیں وہاں حق سے مراد حق مخلوق بہ ہے اور جہاں انہیں متغائر اور متمائز بتاتے ہیں۔ وہاں حق سے مراد ذات احدیت حق ہے جو خلق سے منزہ اور ماوراء ہے۔ یہاں جو ہم نے اجمالاً عرض کیا وہ بعد کی فصول میں تفصیل سے بیان ہوگا، تاہم ضروری ہے کہ دیگر مباحث بیان کرنے سے پہلے ابن عربی کی تحریروں سے اقتباسات اور ان کے معتبر شارحین کی شرحوں سے متعلقہ مواد اکٹھا کر دیا جائے تاکہ مسئلے کو واضح کرنے کے لئے خود ان کی عرفانی تحریروں سے مدد حاصل ہو سکتے۔

ا) فالحق خلق لهٰذا الوجه فاعتبروا ، وليس خلقاً لهٰذا الوجه فاذكروا جمع و فرق فان العين واحدة. وهى الكثيرة لاتبقى ولا تذر ۔(تمام حوالہ جات کے لئے دیکھئے فلسفہ وحدت الوجود (مقالات) صفحہ 203 تا 207)

مطلب یہ کہ وجود حقیقت واحد ہے اور اس کے برعکس جو بھی ہمیں حواس کے ذریعے محسوس ہوتا ہے، مثلاً موجوداتِ خارجی اور جو عقل سے معلوم ہوتا ہے مثلاً خدا اور عالم، حق اور خلق کی دوئی وہ حقیقت وجود کا تکثر وتعدد یا دوئی نہیں بلکہ حق اور خلق ایک ہی حقیقت فریدہ اور عین واحد کے دو پہلو ہیں ۔اگر اس پر جہت وحدت سے نظر کیجئے تو اسے حق پائیے گا اور حق کہیے گا، اور اگر جہت کثرت سے دیکھیے تو خلق دیکھیے گا اور خلق پائیے گا اور حق کہیے گا، یعنی صورِ اعیان میں اپنے ظہور اور ان کے احکام قبول کرنے کے اعتبار سے حق خلق ہے مگر مرتبہ احدیت میں اپنی احدیت ذاتی اور حضرت الٰہیہ میں اسمائے اولیہ کے اعتبار سے خلق نہیں ہے بلکہ حق ہے جو خلق سے ماوراء ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم ہے، خالق کائنات ہے اور پروردگار عالم۔۔۔لہٰذا عین جو فی الواقع رہی ذاتِ حق ہے، حقیقت میں واحد ہے اور مرتبہ ذات اور حضرت احدیت میں ہر طرح کی کثرت سے پاک ہے اور مرتبہ الوہیت میں اللہ ہے جو اسماء و صفات کا مرتبہ جامعہ ہے اور مرتبہ کثرت میں خلق ہے۔ جو اسماء وصفات اور مظاہر کی مناسبت سے مرتبہ فرق وظہور ہے۔ خلاصہ یہ کہ عین واحد ہے اور تعینات کثیر مگر تعینات نسبتیں ہیں۔ جو اس عین واحد کے

سوا متحقق نہیں ہو سکتے۔ پس فی الحقیقت عالمِ ہستی میں اس عین واحد اور وجود یکتا کے سوا کوئی چیز نہیں اور اس کا کوئی غیر ثابت نہیں۔۔۔ اور وہی ہے جو عین وحدت میں بھی مظاہر و تجلیات میں کثرت کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا حق اور خلق کے مابین جمع بھی کرنا چاہیے اور کہنا چاہیے کہ حق خلق ہے اور فرق بھی کرنا چاہیے حق خلق نہیں ہے، چونکہ ایک اعتبار سے حق خلق ہے اور دوسرے اعتبار سے ماسوائے خلق، یعنی حق حق ہے اور خلق خلق۔۔۔ وہ حق جو خلق ہے اس سے مقصود حق مخلوق۔ یعنی وجود منبسط ہے، وہ حق جو خلق نہیں ہے اس سے مراد ذاتِ متعال حق در حضرتِ احدیت ہے۔

۲) یا خالق الاشیاء فی نفسه　　انت لاتخلقه جامع

تخلق مالا ینتهی کونه　　نیک فانت الضیق الواسع

ابن عربی کے معتبر شارحین کے یہاں ان ابیات کا یہ مطلب ملتا ہے کہ ظہور پانے والی ہر شے حق تعالیٰ کے وجود کی تجلی سے ظاہر ہوتی ہے، لہٰذا تمام اشیاء اسی سے ہیں اور اسی میں ہیں یعنی اسی کے علم میں جو اس کی ذات کا عین ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ضمیع نامتناہی مخلوقات کا جامع اور ان سب پر محیط ہے۔ مخلوقات اس کی ذات سمندر کی سطح پر اٹھنے والی لہروں کی طرح ہیں۔ پس مرتبہ احدیت میں حق تعالیٰ کی ذات میں ثنویت اور تعدد کو راہ نہیں۔ البتہ وہ ذات تجلی اسمائی کے اعتبار سے خصوصاً اسم ''الواسع'' کی تجلی کے ساتھ تجلی فی الکل ہے اور سارے پر محیط ہے اور ہر جگہ اور ہر چیز میں موجود یعنی ظاہر ہے۔۔ (فصوص الحکم، فص اسحاقی صفحہ 88)

۳) فما فی الوجود مثل فما فی الوجود ضد فانّ الوجود حقیقة واحدة والشیء لایضاد نفسه.

فلم یق الا الحق لم یبق کائن　　فلا ثم موصول و ماثم بائن

هذا جاء برهان العیان فما اری　　بعینی الاعینه اذا عائن

یعنی وجود حقیقت واحد ہے، اس کی کوئی مثل ہے نہ ضد پس عارف اس کون امکانی کو جو مفارقت اور کثرت کا مبدء ہے، معدوم دیکھتا ہے اور کوئی چیز نہیں پاتا مگر ذات حق کہ عین وحدت ہے۔ بناء بریں

یہاں غیریت تو موجود ہی نہیں، نہ کوئی واصل ہے نہ موصول، کوئی مبائن ہے نہ مفارق، کیونکہ ہر شئے حق تعالیٰ کی وحدت حقیقی کے عین میں فنا ہوگئی ہے۔ سو دل کی آنکھوں سے دیکھنے والا عارف عین حق کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔

۴) ولیس وجود الاوجود الحق، بصور احوال باهی علیه الممکنات فد انفسها واعینها

مقصود کلام یہ کہ ممکنات اپنے عدم اصلی سے جڑے ہوئے ہیں اور وجود حقیقی سے بے بہرہ ہیں، کیونکہ حق تعالیٰ کے وجود کے سوا اور کوئی وجود نہیں ہے اور وہی ہے جو اعیان کے اقتضاء اور ممکنات کی ذات کے مطابق ظہور کرتا ہے اور تعین پذیر ہوتا ہے، چنانچہ تمام ممکنات اور مخلوقات اس کی ذات کے تعینات، مظاہر اور شیون ہیں۔ اسی کا وجود حقیقی اور واحد ہے۔

۵) وبالاخبار الصحیح انه عین الاشیاء والا شیاء محدودة وان اختلف حدود ها فهو محدود بحد کل محدود فما یحد شیء الاوهو حدّ للحق فهو السّارفی مسمی الخلوقات والمبدعات ولولم یکن الامنر کذالک ماصح الوجود فهو عین الوجود فهو علی کل شیء حفیظ بذا ته...

ابن عربی کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ اخبار صحیحہ کے مطابق عین اشیاء ہے اور اشیاء اپنی اپنی مختلف حدود میں محدود ہیں، پس اللہ تعالیٰ بھی ہر محدود کی حد کے مطابق محدود یعنی متعین ہے، چونکہ وہ ہر محدود کا عین ہے۔ بناء بریں ہر محدود کی حد تعین حق ہے اور وہ اس محدود کی صورت میں متجلی ہے، چنانچہ حق تعالیٰ جملہ موجودات کے صور وحقائق میں ساری وظاہر ہے عام اس سے کہ یہ مخلوقات یعنی حقائق مسبوق بالزمان ہوں یا مبدعات یعنی حق غیر مسبوق بالزمان۔ اگر حق تعالیٰ موجودات میں سریان و ظہور نہ کرتا تو کوئی موجود وجود ہی حاصل نہ کر پاتا، کیونکہ وہ موجود کا وجود اسی کی جانب سے ہے۔ پس حق تعالیٰ ہی عین وجود اور خود اپنی ذات سے اشیاء پر محیط اور انہیں عدم سے پچانے والا ہے یعنی یہ کہ وہ وجود حقیقی اور قیوم یکتا ہے اور جملہ اشیاء کی ہستی اس کی ہستی سے قائم ہے۔

اگر ناز ے کند از ہم فرو ریز د قلبہا

اس سب کے باوجود ہمارا وجود اس کے وجود کا مظہر ہے، جیسا کہ ابن عربی نے مجذوبانہ کہا ہے ''وجودی غذادہ'' یعنی میرا وجود اس کے وجود کے ظہور کا سبب ہے۔

اس کی مثال ہیولیٰ اور اس کی صورتوں سے دی جاسکتی ہے کہ جملہ صور موجودات ہیولیٰ میں مشہود ہیں (ہیولائے کلی یعنی وہ جوہر تمام موجودات کے صورتوں کو قبول کرنے کی قابلیت رکھتا ہے) اور ان تمام موجودات میں ہیولیٰ معقول ہے، کیونکہ از روئے تعریف ہر صورت صور جوہری سے ماخوذ ہوتی ہے۔

عقل کی تعریف میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ ایک جوہر مجرد ہے جو کلیات کا ادراک کرتا ہے اور جس کا جسم سے تعلق نہیں ہوتا۔ نفس ناطقہ کی تعریف یوں ہے کہ یہ وہ جوہر مجرد ہے جو کلیات اور جزئیات دونوں کا مدرک ہے اور جسم سے بھی تعلق رکھتا ہے یعنی مدبر اور متصرف کی حیثیت سے جسم کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک جوہر ہے جو سہ گانہ العباد کو قبول کرتا ہے۔ نباتات کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک نمو پذیر جسم ہے۔ پتھر ایک جامد، ثقیل اور ساکن جسم ہے۔ حیوان کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ ایک نمو پذیر، حساس اور متحرک بالارادہ جسم ہے اور پھر بالآخر انسان کی تعریف میں جسم مشترک ہے، بناء بریں ان تمام تعریفات اور حدود میں جو ہر ماخوذ ہے اور اپنی حقیقت میں واحد ہے گو اس کی صورتیں مختلف ہوں، جیسا کہ شرح قیصری میں ہیولیٰ کی مثال دے کر اہل فکر و نظر کی توجہ اس جانب دلائی گئی ہے، تاکہ وہ توحید کے بارے میں اہل کشف وشہود کے اقوال کو وضاحت سے سمجھ سکیں اور ان کی عقل ایسے اقوال سے بیزار نہ ہو۔

٦) وصاحب التحقيق يرى الكثرة فى الوهد كما يعلم ان مدلول الاسماء الالٰهيّه و ان اختلفت حقايقيا و كثرت انها عين واحده فهذه كثرة معقولة فى واحد العين فيكون فى التجلى كثرة مشهودة فد عين واحد...

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ معرفت حق کے متلاشی اور عرفان کے سچے طالب صاف صاف دیکھتے ہیں کہ عالم میں واقع کثرت اس واحد حقیقی میں موجود ہے جو وجود مطلق ہے اور بصورت کثرت

ظاہر ہوا ہے، جیسے کہ قطروں کا وجود دریا میں، پھل کا وجود درخت میں اور درخت کا وجود بیج میں۔ اسی طرح وہ یہ بھی جان لیتے ہیں کہ اسماء وصفات الٰہیہ مثلاً قادر، عالم، خالق، رازق وغیرہ کا مدلول واحد ہے باوجود یہ کہ ان کے حقائق مختلف اور متعدد ہیں اور یہ سب اسی واحد حقیقی کی ذات کی طرف راجع ہیں پس کثرت اسماء اور ان کے معانی کا اختلاف ذات واحد حقیقی میں درست اور قابل فہم ہے۔ جب ان ذات کی تجلی صور اسماء پر پڑتی ہے تو وہ کثرت اسی ذات واحد اور عین واحد میں مشہور ہو جاتی ہے۔

۷) فان للحق فی کل خلق ظہورا فہو الظاہر فی کل مفہوم وہو الباطن عن کل فہم الاعن فہم من قال ان العالم صورتہ وہویۃ وہواالسم الظاہر، کما انہ بالمعنی روح ماظہر فی الباطن .. وصور العالم لا یمکن زوال الحق عنہا اصلا

مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ مخلوقات میں سے ہر ایک کے اندر کسی نہ کسی رنگ میں ظہور کرتا ہے اور ہر مفہوم اور مدرک میں اس کا ظہور ہے اور اس کی تجلی ۔۔۔ لیکن چونکہ اس کی تمام تجلیات اور ظہورات اس کے مظاہر میں قابل فہم نہیں ہوتے، لہٰذا وہ لوگوں کی عقل سے مخفی اور پنہاں ہے، سوائے اس شخص کی فہم کے جو یہ جانتا ہو کہ عالم ہویت حق کا مظہر اور اس کی صورت ہے۔ یہ لوگ تمام مظاہر میں مشاہدہ حق کرتے ہیں ۔۔۔ عالم حق تعالیٰ کے اسم ظاہر سے عبارت ہے، یعنی عالم میں اس کی ہویت اور حقیقت ظاہر ہوئی ہے اور باعتبار معنی وحقیقت عالم کا باطن اور اسکی روح حق تعالیٰ ہے۔ پس عالم کا ظاہر حق تعالیٰ کا اسم ظاہر ہے اور عالم کا باطن حق تعالیٰ کا اسم باطن ۔۔۔ اس ظاہر ظہور عالم کا تقاضا کرتا ہے اور اسم باطن بطون حقائق کا ۔۔۔ باوجود یکہ مقتضی (بہ صیغہ اسم فاعل) ایک اعتبار سے مقتضاء (بہ صیغہ اسم مفعول) کا غیر ہے، جیسے ربویت مربوبیت کی عین ہے لیکن ایک دوسرے اعتبار سے یہی ربوبیت یعنی مقتضی اس مربوبیت یعنی مقتضاء کا عین بھی ہے۔ یہ حقیقت حقائق کی احدیت کا مرتبہ ہے، لہٰذا یہ درست ہوا کہ علم اسم ظاہر کا عین ہے اور اس کی روح اسم باطن کا ۔۔۔ یہ محال ہے کہ جب تک عالم موجود ہے حق تعالیٰ سے الگ ہو جائے اور اس کی صورتوں سے جدا ہو جائے، کیونکہ حق کے بغیر عالم محض ہو کر رہ جائے گا۔

۸) ابن عربی فتوحات مکیہ میں جہاں مردان حیرت و عجز کے بارے میں گفتگو کی ہے اور اہل اللہ

کی حیرت اور اہل فلسفہ کی حیرت کے درمیان فرق بتایا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ صاحب عقل تو یوں کہتا ہے:

وفی کل شیء له ایةُ　　　　تدل علی انه واحدُ

جب کہ صاحب تجلی یوں نغمہ سرا ہوتا ہے۔

وفی کل شیء له ایةُ　　　　تدل علی انّه عینیهُ

پس عالم وجود میں خدا کے سوا اور کچھ نہیں اور خدا کو خدا کے سوا کوئی شناخت نہیں کر سکتا اور اس حقیقت کو وہ دیکھ سکتا ہے جس نے بایزید کی طرح انا اللہ'' اور سبحانی'' کہا ہو۔

۹) اسی کتاب میں لکھتے ہیں'' وقدثبت عند المحققین ما فی الوجود الا الله و نحن و ان کنا موجودین، فانما کان وجود نابه فمن کان وجوده بغیره فهو فی حکم العدم

مراد یہ ہے کہ محققین کے نزدیک یہ چیز ثابت ہے کہ صفحۂ ہستی پر خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں اور اگر چہ ہم بھی موجود ہیں تاہم ہمارا وجود اس کی وجہ سے ہے اور جو وجود غیر کی وجہ سے ہو، وہ عدم کے حکم میں ہوتا ہے۔

۱۰) آخر میں ہم وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو تصریحاً وحدت الوجود کے بارے میں ہے اور جس پر سب سے زیادہ فرح ونقد اور بحث مباحثہ ہوتا رہا ہے۔

" فسبحان من الظهر الاشیاء وهو علینها "

ترجمہ: ''پاک ہے وہ جس نے اشیاء کو ظاہر کیا اور وہ ان اشیاء کا عین ہے۔''

فما نظرت عینی الی غیر و جهه　　　　وما سمعت اذنی خلاف کلامه

فکل وجود کان فیه وجوده　　　　وکل شخیص لم یزل فد منامه

ترجمہ: ''میری آنکھ نے اس کے چہرے کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ میرے کان نے اس کے کلام کے سوا کچھ نہیں سنا، پس ہر چیز کا وجود اسی میں ہے۔
اور ہر شخص ہمیشہ اسی کی آرام گاہ میں ٹھکانا کرتا ہے۔''

ابن عربی کے ہاں حق کی اصطلاح:

جیسا کہ قارئین نے دیکھا، مذکورہ بالا عبارات وحدت الوجود کی تشریح بھی کرتی ہیں اور ابن عربی کے ہاں ان کے بار بار بیان کی شہادت بھی دیتی ہیں۔ کبھی ابن عربی حق اور خلق کو ایک دوسرے کا عین بتاتے ہیں کبھی غیر، کبھی حق کی جانب خلق سے اشارہ کرتے ہیں کبھی اس کے تنزل سے مرتبہ خلق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ابن عربی کی کتابوں میں سے پیش کردہ یہ عبارات اور ان ایسے دوسرے اقتباسات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اصل وحدت اور مسئلہ کثرت دونوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ وحدت وہ جس کو ان کا صوفیانہ ذوق دریافت کرتا ہے اور جس سے وہ کشف وشہود میں روبرو ہوتے ہیں اور کثرت وہ جس پر ان کے حواس شاہد ہیں اور عقل اس کا اقرار کر رہی ہے۔ لہٰذا جیسا کہ ہم نے دیکھا وہ وحدت کا بھی دم بھرتے ہیں اور کثرت کے بارے میں بھی گفتگو کرتے ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کا کلام بظاہر متضاد لگتا ہے، مشکل معلوم ہوتا ہے اور لوگوں کو حیرت، شک وشبہ اور بدگمانی میں ڈال دیتا ہے، اسی لیے ان کے عقائد کے بارے میں متضاد آراء ملتی ہیں، جیسا کہ پہلے مذکورہ ہو چکا ہے۔ بعض لوگوں مثلاً عبدالوہاب الشعرانی نے ان سے عقیدہ وحدت الوجود ہی کی نفی کر دی ہے۔ ایسے حضرات پر آگے چل کر تفصیل سے گفتگو ہوگی۔ چند اساطین علم وحکمت اور اسلامی علوم کے ماہرین نے ان پر یہ الزام بھی رکھا ہے کہ ابن عربی ادیان وشرائع کے منکر ہیں اور حق وخلق کو ایک جانتے ہیں، لہٰذا ان کے کفر والحاد کا فتویٰ بھی دیا گیا ہے۔ آخری گروہ وہ ہے جو ان کے بارے میں حیرت اور بے یقینی میں مبتلا ہے اور ان کے لئے اپنی رائے کے اظہار سے گریز کرتا ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ابن عربی کی متضاد عبارات کی اس طرح توجیہ تطبیق کی جائے جس سے یہ مشکلات رفع ہو جائیں۔۔۔ اس کی یہی صورت ممکن نظر آتی ہے کہ یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رہے کہ اس کے کلام عرفانی میں حق کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ا۔ ''حق فی ذاتہ'' جو وجود مطلق، مطلق الوجود، وجود صرف اور ذات بحت ہے۔۔ جملہ قیود اور شرائط سے بری، حتیٰ کہ قید وشرط اطلاق سے بھی منزہ ہے اور تمام اعتبارات واضافات حتیٰ کہ اعتبار ونسبت علمیت سے بھی پاک ہے اور عالم یعنی ساری مخلوقات سے ماوراء۔۔ اور چونکہ وہ سارے اعتبارات

واضافات خواہ ذہنی ہوں یا خارجی سے بری ہے، لہٰذا خیال، قیاس، وہم اور فکر سے بھی بالاتر ہے اور اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ اس کی معرفت ناممکن ہے اور عالم کے ساتھ اس کی مناسبت اور مشابہت ہی موجود نہیں اور فی الحقیقت اس کے اور عالم کے درمیان کسی قدر مشترک اور وجہ جامع کا اثبات محال ہے۔

حق حق ہے اور اشیاء اشیاء جیسا کہ انہوں نے خود تصریح وتاکید کی ہے کہ:

''نھو عین کل شیء فی الظھور، وما ھو عین الاشیاء فی زواتھا بل ھو والا شیاء اشیاء...فلحق حق والانسان انسان .. اور فالرّب رب والعبد عبد۔۔۔

۲۔ دوسرے معنی جن میں حق کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ ہیں؛

حق متجلی یعنی حق مخلوق، وجود عام منبسط . ظاھر الحق نفس الرحمن اصل جوھر ، فلک حیات، اور عما ۔۔۔کبھی تو حق کو ان معانی میں استعمال کیا گیا ہے اور کبھی ''حق فی ذاتہ'' یعنی وجود مطلق کے معنی میں مستعمل ہوا ہے اور نتیجتاً بہت سے لوگوں کے باعث اشتباہ بن گیا ہے۔۔'' حق فی ذاتہ '' کے برعکس ''حق متجلی'' تمام مظاہر میں ظاہر ہے، خلق کا مرادف اور اس کے اوصاف سے متصف ہے، بلکہ مخلوقات اور اشیاء کا عین ہے۔۔'' عین لا کونحق ''اور'' سبحان من اظھر الاشیاء وھو عینھا'' نیز اس طرح کی دیگر عبارات اسی مذکورہ معنی میں استعمال کی مثال ہیں۔۔۔

10۔ غلام احمد پرویز کا نقطہ نظر:

غلام احمد پرویز اپنے مقالہ'' وحدت الوجود'' جسے ڈاکٹر وحید عشرت نے'' فلسفہ وحدت الوجود (مقالات) میں چھپوایا، صفحہ 81,82 پر لکھتے ہیں حلول کا عقیدہ بدیہی طور پر کفر دکھائی دیتا تھا اس لئے وہ تو عام طور پر مستور رہا۔ لیکن اسے شیخ اکبر (محی الدین) ابن عربی نے ایک بڑی مغالطہ آفرین شکل میں پیش کر دیا۔ اسے وحدت الوجود کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ عام فہم الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی ۔ جو کچھ نظر آتا ہے سب خدا ہی ہے۔ یعنی خدا ہر شے ہے اور ہر شے خدا ہے۔ ابن عربی تصوف کی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں کیونکہ ان کا وضع کردہ یہ عقیدہ تصوف کی

روح سمجھا جاتا ہے اور قطع نظر ان کے جو اسے علانیہ اختیار کرتے ہیں، جو اس سے بظاہر اختلاف کرتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں اس سے متاثر نظر آتے ہیں۔ یہ (شیخ اکبر) چھٹی صدی ہجری میں اندلس میں پیدا ہوئے اور ۶۳۸ھ میں دمشق میں وفات پائی جہاں ان کے مزار پر ایک بہت بڑا گنبد ہے۔ اس زمانے میں ہسپانیہ میں متصوفین فلاسفر کا ایک گروہ تھا جو وحدت الوجود کا قائل تھا۔ وہ اپنی کیفیات اور احوال کو تشبیہ اور استعارہ کے رنگ میں بیان کرتے اور اپنے عشق حقیقی کو عشق مجازی کے جاذب نگاہ لباس میں پیش کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عربی انہیں سے متاثر ہوئے۔ انہیں کا فلسفہ، انہیں کا انداز بیان۔ حتیٰ کہ انہیں کا سا عشق مجازی بھی چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ جب وہ قرطبہ میں تھے تو ایک دوشیزہ، فاطمہ کا قرب ان پر مدت العمر مؤثر رہا۔ پھر جب وہ مکہ مں مقیم تھے تو ایک اصفہانی عالم مسکین الدین نے جو مکہ میں حدیث کا درس دیتے تھے، حدیث پڑھی مسکین الدین کی بیٹی، عین الشّمس نظام بڑی خوبصورت دوشیزہ تھی۔ ابن عربی اس پر فریفتہ ہوگئے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ان کے اکثر مکاشفات کا روحانی جذبہ اسی کے عشق کا رہین، منت ہے، ان کے ملفوظات اور یہودی تصوف کی بنیادی کتاب ''زھار'' میں بڑی مطابقت پائی جاتی ہے۔ دونوں الہامی کتابوں کی تاویل اپنے ذاتی مکاشفات کی بناء پر کرتے ہیں۔ حروف اور اعداد سے پراسرار معانی اخذ کرتے ہیں۔ خوابوں کی تعبیر پر حقائق کی عمارتیں تعمیر کرتے ہیں اور انسانی مقدر کو ستاروں کے تابع مانتے ہیں۔ عقیدہ جبر کے قائل ہیں۔ یہ عقائد اور نظریات عیسائیوں سے آئے ہوں یا یہودیوں سے، مسلمانوں میں اسے منظّم مذہب اور مسلک کی حیثیت سے ابن عربی ہی نے پیش کیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ بڑے ذہین اور فطین تھے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب کسی ذہین اور فطین کی گردن ٹیڑھی ہوجائے تو جس قدر نقصان وہ پہنچا سکتا ہے، دوسروں کے ہاں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ابن عربی کی ذہانت نے یہی کچھ اسلام کے ساتھ کیا ہے۔ قیامت بالائے قیامت کہ وہ وحدت الوجود کے عقیدہ کی سند بھی قرآن کریم سے پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ لیکن وہ اسناد کس قسم کی ہیں اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ سورہ طٰہٰ میں زمین کے متعلق کہا گیا ہے۔ منھا خلقنٰکم وفیھا نعیدکم و منھا نخرجکم تارۃ

اُخــری (۵۵/۲۰) اس کا صاف اور سیدھا ترجمہ یہ ہے کہ ''ہم نے تمہیں اس زمین سے پیدا کیا، اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے بار دیگر نکالیں گے۔ ابن عربی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''ہم سب احدیت سے نکلے تھے۔ فنا ہوکر پھر احدیت میں جا چھپیں گے ۔ پھر بقاء ملے گی اور دوبارہ نمودار ہوں گے۔ (فصوص الحکم)

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وحدت الوجود سے مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی ۔ وجود صرف خدا کا ہے اس لئے ہر شے خدا ہی ہے۔ اسے ''ہمہ اوست'' بھی کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب سب خدا ہی ہے تو پھر مختلف اشیاء، مختلف افراد، حتیٰ کہ مختلف عقائد میں تفریق وتمیز کا تصور ہی غلط ہے۔ رام بھی وہی، رحیم بھی وہی۔ یہ تفریق کس طرح مٹ جاتی ہے، اس کے لئے ابن عربی کا ایک قول پیش کر دینا کافی ہوگا۔ وہ کہتے ہیں:

پس فرعون کو ایک طرح سے حق تھا کہ کہے ''انا ربکم الاعلیٰ'' کیونکہ فرعون ذات حق سے جدا نہ تھا اگر چہ اس کی صورت فرعون کی سی تھی (فصوص الحکم)

وہ ''فتوحات مکیہ'' میں اشعار کی زبان میں جن کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے) کہتے ہیں:

۱) پروردگار بھی حق ہے اور بندہ بھی حق۔ کاش میں معلوم کر سکتا کہ ان میں سے مکلّف کون ہے۔

۲) اگر تم کہو کہ مکلّف بندہ ہے تو وہ مردہ ہے۔ اور اگر تمہارا کہنا یہ ہے کہ مکلّف رب ہے تو وہ مکلّف کیسے ہو سکتا ہے۔

وہ اپنے رسائل (الجلالۃ) میں اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ مکلّف کون۔ کیونکہ کائنات میں خدا کے سوا کسی کا وجود ہی نہیں۔

اسی سے وہ عقیدہ جبر پر (بزعم خویش) دلیل لاتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ جب انسان کا اپنا وجود ہی نہیں تو وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار کس طرح قرار پا سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر جب اس کے اعمال اس کے اعمال نہیں۔ خود خدا کے اعمال ہیں تو انسان سے ان کا مواخذہ کس طرح ہو سکتا ہے۔؟

11۔ حضرت ابنِ عربی کا نقطہ نظر:

حضرت ابن عربی چھٹی صدی ہجری میں اندلس میں پیدا ہوئے اور 638 ہجری میں دمشق میں وفات پائی۔ آپ کے پیرو کار آپ کو ''شیخ اکبر'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے ''روحانی سفر'' کو ''وحدت الوجود'' کے نام سے متعارف کرایا۔ آپ بڑے ذہین وفطین اور قادرالکلام صوفی تھے۔ حضرت ابن عربی صوفی گروہ ''وجودیہ عینیہ'' کے سرخیل ہیں۔ آپ کے نظریہ کے مطابق ''یہ عالم'' ''عین حق'' ہے یعنی یہ کائنات بمعہ تمام موجودات ''اللہ تعالیٰ کی ذات کا عین ہے مراد یہ کائنات ہی وجودِ الٰہی ہے۔ کوئی غیر نہیں۔ سب وہی ہے۔ فلسفہ ہمہ اوست بھی یہی کہتا ہے کہ سب وہی ہے یعنی وحدت، کثرت کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی۔

فقیر حضرت ابنِ عربی کی کتاب ''فصوص الحکم وخصوص الکلم'' سے چند اقتباسات بطور حوالہ عرض کرتا ہے۔

(i) وھو الذی اعطیٰ الوجودَ بذاته ھٰذا الحادث فانتسب الیه. ولّما اقتضاه لذاته کان واجبًا به، ولّما کان استناده الیٰ مَن ظھر عنه لذاته، اقتضیٰ ان یکون علیٰ صورته فیما ینسب الیه من کل شیء (فصوص الحکم وخصوص الکلم صفحہ 94، مترجم ابرار احمد شاہی)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنی ذات سے اس (حادث) کو وجود عطا کیا، اور یہ (حادث) اس سے منسوب ہوا۔ چونکہ اس (واجب) نے اپنی ذات کے لئے اس (حادث) کا تقاضا کیا تو یہ (حادث) بھی ''اس سے واجب الوجود'' ٹھہرا، اور چونکہ اس (حادث) کا بھروسا اس پر تھا جس سے یہ اس کے لیے ظاہر ہوا، تو اس نے چاہا کہ یہ اسی کی صورت پر ہو، کہ اس سے ہر چیز منسوب کی جائے۔

(ii) فاِذا شھدناه سھِدنا نفوسَنا، و اذا شھدَنا شھِدَ نفسَه. ولا نشکّ انّا کثیرون بالشخص والنوع ، ، انّا و ان کّنا علیٰ حقیقة واحدة تجمعنا، فنعلم قطعا انّ ثمّ فارقاً، بی تمّ.ت الاشخاص بعضھا عن بعض، ولو لا ذالک ما کانت الکثرة فی الواحد۔ (فصوص الحکم وخصوص الکلم صفحہ 94)

ترجمہ: سو جب ہم نے اس کا مشاہدہ کیا تو اپنے نفوس کا مشاہدہ کیا، اور جب اس نے ہمیں دیکھا تو خود کو دیکھا۔ ہم اس بارے میں بھی شک نہیں کرتے کہ ہم نوع اور فرد ہونے کے اعتبار سے کثرت رکھتے ہیں، اگرچہ ہم سب ایک حقیقیت پر ہیں جس نے ہمیں جمع کیا، لیکن ہم یہ قطعی طور پر جانتے ہیں کہ یہاں (ہر نوع کے درمیان بھی) فرق ہے، جن سے بعض افراد دیگر بعض سے متمیز ہوئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو واحد میں کثرت بھی نہ ہوتی۔

فقیر نے 19 نومبر 2016 کی رات کو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کے ذریعہ رجوع کیا کہ اے باری تعالیٰ! حضرت ابنِ عربی کا نظریہ وحدت الوجود جو اوپر بیان کیا گیا ہے، کیا آپ کو یہ نظریہ پسند ہے۔ اے باری تعالیٰ! اپنی پسند اور ناپسند سے آگاہ فرما۔ فقیر نے دو رکعت نماز نفل پڑھ کر استخارہ کی دعا پڑھی اس کے بعد یا علیم، یا خبیرُ، اخبیرنی کافی دیر تک پڑھتا رہا کہ اچانک میری زبان سے نکلا'' قُل ھُوَ اللہ احد ، اللہ الصمد، جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی حقیقی تعریف ''سورۃ اخلاص'' کرتی ہے اور یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابنِ عربی کا نظریہ وحدت الوجود درست نہیں کیونکہ حضرت ابنِ عربی کا نظریہ وحدت الوجود ''سورۃ اخلاص'' کے بالکل برعکس ہے۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ اگر کسی بھائی یا بہن کو یہ بات پسند نہ آئے تو وہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے اور استخارہ کرے اور نیت میں یہ کہے کہ اے باری تعالیٰ! اس نظریہ کے بارے میں اپنی پسند یا ناپسند سے آگاہ فرما کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی پوشیدہ نیت سے خوب واقف ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں ہی انسان کی بقا اور سچی خوشی ہے۔

12۔ قرآن کا نظریہ تخلیق کائنات:

(i) <u>زمین و آسمان کی پیدائش:</u> اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ الفرقان (پارہ 19) آیت نمبر 59 میں فرماتے ہیں:

نِالَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِاَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ.

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دن میں پیدا

کر دیا۔"

(ii) **آفتاب کو چمکدار اور چاند کو روشن بنایا:**

قرآن مجید کی سورۃ یونس (پارہ 11) آیت نمبر 5 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ.

ترجمہ: وہی وہ (خدائے قادر) ہے جس نے آفتاب کو چمکدار اور چاند کو روشن بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔

(iii) **آسمان میں برج بنائے اور اسے ستاروں سے آراستہ کیا:** اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ الحجر (پارہ 14) آیت نمبر 16 میں فرماتے ہیں؛

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجاً وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ.

ترجمہ: اور ہم ہی نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے واسطے ان کو (ستاروں) سے آراستہ کیا۔

(iv) **حضرت انسان کی پیدائش کے بارے میں:** قرآن حکیم کی سورۃ الزمر (پارہ 23) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ط يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقاً مِّن م بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ o اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ قف وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ج وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ط وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ .

ترجمہ: تم سب کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا پھر اس (کی باقی مٹی) سے اس کی بی بی (حوا) کو پیدا کیا اور اسی نے تمھارے لیے آٹھ قسم کے چار پائے پیدا کیے وہی تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹ میں ایک قسم کی پیدائش کے بعد دوسری قسم (نطفہ جما ہوا خون لوتھڑا) کی پیدائش سے تہرے تہرے اندھیروں (پیٹ

رحم اور جھلی) میں پیدا کرتا ہے وہی اللہ تمھارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے اسکے سوا معبود نہیں تو تم لوگ کہاں پھرے جاتے ہو اگر تم نے اس کی ناشکری کی تو (یاد رکھو کہ) خدا تم سے بالکل بے پروا ہے اور اپنے بندوں سے کفر اور ناشکری کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کروگے تو وہ اس کو تمھارے واسطے پسند کرتا ہے۔

(۷) سورۃ الطارق (پارہ 30) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں؛

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَاالطَّارِقُ ○ النَّجْمُ الثَّاقِب ○ اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَاحَافِظ ○ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِق ○ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ○ یَّخْرُجُ مِنْ م بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِب ○ اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ○ یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ ○ فَمَالَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِر ○ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ○ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ○ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ○ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْل ○

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی اور تم کیا جانو، کیا ہے وہ رات کو نمودار ہونے والا، ایک تارا ہے چمکتا ہوا۔ یقیناً ہر متنفس پر ضرور (مقرر) ہے ایک نگہبان ۔ سو ذرا غور کرے انسان کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ؟ پیدا کیا گیا ہے اچھلنے والے پانی سے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے بیچ سے نکلتا ہے۔ بے شک خدا اس کے دوبارہ (پیدا) کرنے پر ضرور قدرت رکھتا ہے، جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے تو (اس دن) اس کا نہ کچھ زور چلے گا اور نہ کوئی مددگار ہوگا، قسم ہے آسمان کی جو مینہ برساتا ہے اور قسم زمین کی جو (پودا اگتے وقت پھٹ جاتی ہے) بے شک یہ قرآن قول فیصل ہے، اور لغو نہیں ہے۔

ان آیات مبارکہ سے یہ بات خوب واضح ہوگئی ہے کہ یہ کائنات اور تمام موجودات اللہ تعالیٰ کی خلق ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا عین۔

فقیر نے 28 نومبر 2016 بروز سوموار (شبِ منگل) کو استخارہ کیا اور نیت میں یہ کہا کہ اے مولائے کریم! کیا غیر (کائنات اور تمام موجودات) کو تیری ذات وصفات کا عین کہنا ''شرک'' ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالم رویاء میں دکھایا کہ فقیر بازار میں دہی لینے جاتا ہے۔ بازار میں دہی کی کئی دوکانیں ہیں۔ فقیر ایک دوکاندار سے پوچھتا ہے کہ بھائی صاحب ''خالص دہی'' کہاں سے ملے گا۔ دوکاندار کہتا ہے ادھر تو کسی کے پاس نہیں البتہ دور آگے ایک دوکان ہے اس سے مل جائے گا۔ فقیر کہتا ہے کہ وہ تو بہت دور ہے پھر فقیر ایک لڑکے سے پوچھتا ہے کہ آپ کے پاس ایک کلو دودھ کا پیکٹ ہے وہ کہتا ہے کہ نہیں آپ ایک ایک چھٹانک کے پیکٹ لے جائیں۔ میں انکار کرتا ہوں۔ فقیر کے پاس دو گلاس ہوتے ہیں اور دونوں مختلف (دھات کے بنے ہوئے) اور وہ لڑکا عیاری سے ایک گلاس چھپا لیتا ہے میں اسے گلاس کے بارے میں پوچھتا ہوں تو وہ جواب دیتا ہے کہ گلاس سامنے والے دوکاندار کے پاس ہے۔ میں دوکاندار سے گلاس واپس کرنے کا کہتا ہوں تو وہ ٹال مٹول سے کام لیتا ہے اور گلاس واپس نہیں کرتا۔ اس کے بعد میں چل پڑتا ہوں۔ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو چار پانچ بڑے کتے میرے پیچھے آرہے ہیں۔ فقیر انہیں چھوٹی چھوٹی کنکریاں مارتا ہے۔ کتے دبک کر بیٹھ جاتے ہیں لیکن پیچھے نہیں ہٹتے پھر فقیر کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

فقیر نے خواب کی تعبیر اپنے عزیز دوست مولانا صالح محمد صاحب سے پوچھی۔ مولانا صالح محمد صاحب نے بتلایا کہ غیر (کائنات اور اس میں تمام موجودات بشمولِ ذاتِ حضرتِ انسان) کو اللہ تعالیٰ کا عین کہنا ''ناپاک خیال'' ہے۔ دودھ اور دہی سے مراد وحدانیتِ الٰہی ہے اور کتوں سے مراد ''ناپاک خیال'' ہے۔ دھات کے دو گلاس سے مراد دو نظریات ہیں ایک گلاس جو چھپا لیا ہے وہ غلط نظریہ ہے اور جو ایک عدد گلاس فقیر کے پاس رہ گیا تھا وہی حقیقی اور خالص نظریہ توحیدِ الٰہی ہے۔ الحمدُ للہ۔

فقیر نے حقیقی وحدانیتِ الٰہی کی تعریف اپنی کتاب ''حقیقت تصوف'' کے پہلے دو صفحات میں عرض کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا اور عالمِ رویاء میں ان دو صفحات کی بے حد تعریف کی۔ الحمدُ للہ۔

کائنات کے بارے میں لبید جو قبل اسلام کا ایک مشہور شاعر ہے یوں کہتا ہے:

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل

و کل نعیم لا محالۃ زائل

ترجمہ: سن لو اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے اور ہر نعمت بہرصورت زائل ہو جانے والی ہے۔

اس شعر کے بارے میں حضور پرنور ﷺ نے فرمایا؛

" صدق کلمه قالها شاعر کلمة لبیه : الا کل شیء ما خلاق الله باطل "

ترجمہ: سب سے اچھی بات جو شاعر نے کہی ہے وہ لبید کی بات ہے کہ اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے۔

(الطاف احمد اعظمی کے مقالہ وحدت الوجود معنی ومفہوم صفحہ نمبر 355 ,354 سے نقل کیا ہے)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ الرحمٰن کی آیات مبارکہ 26,27 میں فرماتے ہیں:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ() وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبُّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكرام

ترجمہ: زمین پر جو بھی موجود ہے وہ سب فنا ہو جائیں گے اور صرف پروردگار کی ذات جو عظمت و اکرام والی ہے، باقی رہ جائے گی۔

قرآن کریم اور حدیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کائنات اور اسکی تمام موجودات سب باطل یعنی فانی ہیں اور اسی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کا عین بھی نہیں۔ اس لئے ان وجوہات کی بناء پر حضرت ابنِ عربی کا "فلسفہ" وحدت الوجود قابل قبول نہیں۔ یہ صریحاً باطل اور ناپاک نظریہ ہے۔

13۔ ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے اہم نکات کے بارے میں فقیر کا نقطہ نظر:

ابنِ عربی کے فرمودات سے فقیر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ (i) وجود حق یعنی اللہ تعالیٰ کی پاک ذات ایک ہے اور یہ کائنات وجود حق کا عین ہے، غیر نہیں، یعنی وجود حق بصورت کثرت ظاہر ہوا مراد وحدت، کثرت کی صورت ہے۔

(ii) فرعون کا یہ قول "انا ربکم الاعلیٰ" حق ہے کیونکہ فرعون ذات حق سے جدا نہ تھا اگرچہ اس کی صورت فرعون کی سی تھی۔

پہلا قول فلسفہ ہمہ اوست کے رنگ کی عکاسی کرتا ہے ہمہ اوست کے معنی ہیں کہ سب وہی ہے یعنی وحدت، کثرت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس وجہ سے ہر شے خدا ہے اور اسی لئے ہندو بت پرستی کو خدا پرستی سمجھتے ہیں اور اس پر دل و جان سے عمل کرتے ہیں۔

شرک سے بچنے کی تاکید:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ الزمر آیت نمبر 65 میں فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْن.

ترجمہ: اور (اے رسول اللہ ﷺ) تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں علیہ السلام) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں یقیناً یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر شرک کیا تو یقیناً تمہارے سارے عمل اکارت ہو جائیں گے اور تم ضرور گھاٹے میں جاؤ گے۔

حدیث رسول اللہ ﷺ کا مفہوم ہے کہ سیاہ رات ہو اور کالے پتھر پر کالی کیڑی بیٹھی ہو تو اتنے چھوٹے (Micro Level) شرک سے بھی بچو۔

حضرت ابن عربی اور ان کے مداح صوفی اور عالم حضرات جو وحدت کو کثرت میں دیکھنے کے حامی ہیں وہ قرآن کریم کی سورۃ الحدید کی آیت نمبر 3 کا حوالہ دیتے ہیں۔

هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ

ترجمہ: وہی سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے اور اپنی قدرتوں سے سب پر ظاہر اور (نگاہوں سے) پوشیدہ ہے۔

اے دوست! یہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کے نورِ حکمت کا اظہار کرتی ہے کہ اسکی قدرت کا ملہ مشاہدہ کیجئے اور عش عش کریں کہ خود ظاہر ہے لیکن چُھپا ہوا بھی ہے، اگر حضرت انسان اس راز سے پردہ ہٹانا چاہے تو اسے چاہیے کہ اپنی ظاہری صورت کے حجاب کو دور کر کے یعنی نفس کے پردوں کو ہٹا کر اپنے نورانی باطن میں جھانکے تو اسے رُخِ زیبا کا دیدار ہوگا۔

اے دوست! یہ کائنات تو خمارِ نگاہِ یار کا کھیل ہے یہ کائنات تو چلمنِ محبوب ہے اور تو اسے ہستی محبوب سمجھ بیٹھا۔ اے دوست! تو غلط فہمی کا شکار ہے کہ چلمن یار کو صورتِ یار سمجھ لیا ہے۔ حضور پُرنور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کا نور حجاب ہے، اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دیں تو اس کے چہرہ انور سے وہ ساری مخلوق جل

جائے جہاں تک اسکی نظر پہنچے۔(مسلم)

اے دوست! اگر اپنے آپ کو وحدت کے رنگ میں رنگنا ہے تو اپنی زندگی کو جذبہ عشق سے مزین کر کیونکہ اسی جذبہ سے کیفیت ''ایک مُک'' حاصل ہوتی ہے اور من تو شدم تو من شدی کی ذہنی و روحانی کیفیت بھی اسی الوہی جذبہ سے حاصل ہوتی ہے۔

اے دوست! عشق سراپا حُسن ہے اور حُسن کی یہ حُسین اور معصوم ادا ہے کہ وہ اپنی خودنمائی چاہتا ہے اور یہی وہ نورِ الٰہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کی ذات میں ودیعت کیا ہے تا کہ حضرت انسان جذبہ عشق اپنا کر اپنی ذات کی تکمیل کرے کیونکہ جب انسان کی ذات کی تکمیل ہوگی تو درج زیل حدیث قدسی کی تکمیل ہوگی۔

''اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ قدم بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔(شرح بخاری فتح الباری حدیث نمبر 6502۔ حضرت امام عسقلانیؒ)

14۔ فرعون کے قول ''انا ربکم الاعلیٰ'' کی حقیقت:

حضرت ابن عربی کا یہ قول کہ فرعون کو ایک طرح سے حق تھا کہ کہے ''انا ربکم الاعلیٰ'' (میں تمہارا اعلیٰ رب ہوں) حضرت ابن عربی کا یہ فرمان ان کے فلسفہ ''وحدت الوجود'' کی کامل عکاسی کرتا ہے۔ اے دوست! ہر نبی علیہ السلام کی تعلیم و تبلیغ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ تھی یعنی حضرت انسان اپنے قول و فعل سے اس پاک کلمہ کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی وحدت الوجود ہے جو سب کا رب ہے اور عبادت کے لائق ہے۔ حضرت ابن عربی کا قول صریحاً شرکیہ قول ہے کہ فرعون کا ''انا ربکم الاعلیٰ'' کہنا حق تھا۔ فرعون کا یہ قول کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی تعلیم و عمل کے خلاف ہے اس لئے کسی بھی صورت قابل قبول نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ طٰہٰ (پارہ 16) آیت نمبر 14 میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی

ترجمہ: بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔

اللہ تعالیٰ سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر 41 میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

اِذهَبَا اِلٰی فِرعَونَ اِنَّهٗ طَغیٰ

ترجمہ: (جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے)

قرآن کریم کے فیصلہ کے مطابق فرعون سرکش تھا اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دعوت حق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے لئے فرعون کے پاس بھیجا۔ اس صورت میں فقیر کیسے ابن عربی کے ساتھ کھڑا ہو سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ فقیر کو شرک سے بچائے رکھا (الحمدللہ)

اللہ تعالیٰ قرآن کی سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر 45 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ اِبراھِیمَ رَبِّ اجعَل ھٰذَا البَلَدَ اٰمِناً وَّاجنُبنِی وَبَنِیَّ اَن نَّعبُدَ الاَصنَامَ

ترجمہ: اور جب ابراہیم نے خدا سے عرض کی تھی کہ پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن و امان کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچا کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں۔

فقیر کو حیرت ہوتی ہے کہ اکثر جید صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ کی واضح تعلیم اور حکم کے خلاف ایک فلاسفر کی پیروی کرتے ہیں۔ اے دوست! اپنے روحانی سفر اور اعتقادات کے بارے اللہ تعالیٰ سے ذرا مشورہ (استخارہ) ہی کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور ہر آدمی کے ظاہر و باطن کی کامل خبر رکھتا ہے اس لئے اپنی دنیا و آخرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہی رابطہ رکھ، یہی دینداری ہے۔

15۔ فلسفہ ہمہ اُوست کی حقیقت:

فقیر نے 23 اگست 2015ء کو استخارہ کیا کہ اے باری تعالیٰ، فقیر کو فلسفہ ہمہ اُوست کی حقیقت سے آگاہ فرما۔ فقیر عالم رویاء میں دیکھتا ہے کہ فقیر ٹرین میں اور بہت سے لوگوں کے ساتھ سوار

ہے اور ٹرین نہائت تیز رفتاری سے چل رہی ہے۔ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ فلسفہ ہمہ اُوست کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسی راہِ فکر ہے جو کثرت سے وحدت کی طرف لے کر جاتی ہے نہ کہ یہ وحدت ہی کثرت ہے۔ کثرت یعنی خلق اپنے خالق اور معبود کی طرف شہادت دے رہی ہے کہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ''۔ فلسفہ ہمہ اُوست کا یہ نظریہ ''کہ سب وہی (اللہ) ہے'' راست فکر نہیں ہے کیونکہ کوئی شے بھی اسکی مثل نہیں (لَیسَ کَمِثلِہٖ شَیءٌ) اس لئے خلق کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا جزو، حصہ اور عین کہنا ایک باطل خیال ہے کیونکہ فلسفہ ہمہ اُوست کے پیروکار کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ روحِ انسانی، اللہ تعالیٰ کے نور کا جزو ہے۔ فقیر نے اس عقیدہ کے بارے میں بھی استخارہ کیا کہ اے باری تعالیٰ کیا انسانی روح، تیرے پاک نور کا جزو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالم رویاء میں فقیر کو دکھلایا کہ ایک چولہے میں آگ جل رہی ہے اور فقیر زندہ مرغی کو آگ پر رکھ دیا ہے۔ فقیر نے یہ تعبیر نکالی کہ زندہ مرغی کو آگ پر رکھنا ایک غیر فطری اور ظالمانہ عمل ہے۔ اس لئے انسانی روح کو اللہ تعالیٰ کے نور کا جزو ماننا، گناہِ عظیم ہے۔ یہ عقیدہ صریحاً شرک ہے۔ اپنیشد میں حقیقت اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کی تعریف جو صفحہ 18 پر درج ہے عین اسلام کے مطابق ہے۔ گیان مارگ کے مطابق انسان کی غایت تخلیق یہ ہے کہ وہ حقیقتِ اعلیٰ کا فہم و عرفان حاصل کرے (یہ نقطہ نظر صحیح ہے) کیونکہ عرفانِ الٰہی سے ہی انسان کی ذات کی تکمیل ہوتی ہے اور جذبہ عشق سے یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔ اپنیشد تعلیم کے مطابق خالق و مخلوق میں تعلق کی نوعیت عابد و معبود کی نہیں ہے کہ اسکی جناب میں عبادت کا نذرانہ پیش کیا جائے۔ یہ نقطہ نظر صحیح نہیں ہے۔ عبادت سے مراد سرنڈر (Surrender) کرنا ہے جو اپنی ذات کو سرنڈر (Surrender) نہ کر سکے وہ عرفان کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ فلسفہ ہمہ اوست کو اگر اس زاویہ سے دیکھا جائے کہ یہ کائنات چلمن محبوب ہے اگر چلمن کو ہٹا دیا جائے تو دیدارِ یار سے ہمکنار ہوگا۔ یعنی خلق (کائنات جو کثرت اشیاء کی صورت میں ہے) کی نفی کی جائے حتیٰ کہ حضرت انسان اپنے نفس کی بھی نفی کرے تو ذاتِ حق کا اثبات ہوگا مراد کثرت کی نفی سے وحدتِ الٰہی کا اثبات کرنا ہی عرفانِ الٰہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ہستی، انسان کی ذات سے جدا نہیں لیکن کسی بھی صورت انسان اپنی ذات کو ذات حق نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی

کہے کہ ''وہ خدا ہے'' تو یہ صریحاً شرک ہے اور اسی طرح اگر کوئی بت پرستی کو خدا پرستی سمجھتا ہے تو یہ بھی شرک ہے۔

اے دوست! فلسفہ ہمہ اُوست کے مطابق سب وہی ہے۔ اے دوست! سب کو چھوڑ دے بس یہ کہو کہ وہی اللہ ہے یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ وحدانیتِ الٰہی کی حقیقی تعریف یہی ہے۔

فلسفہ ہمہ اُوست اور فلسفہ وحدت الوجود میں ایک بات مشترک ہے اور وہ یہ کہ ''وحدت، کثرت کی صورت میں ظاہر ہوئی'' بس اندازِ بیان مختلف ہے۔ فقیر کو حیرت ہوتی ہے کہ پاک و ہند کے اکثر صوفیاء کرام فلسفہ ہمہ اُوست کے پیروکار ہیں۔ دراصل ہندی فکر و معاشرت کی پاک و ہند کے مسلمانوں کی فکر و معاشرت پر بڑی گہری چھاپ ہے۔ اسی وجہ سے چند غلط عقائد اور اکثر معاشرتی و سماجی برائیاں (جہیز کی لعنت، بہنوں بیٹیوں کو جائیداد میں حصہ نہ دینا، ذات پات کا تعصب) ابھی تک برقرار ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فلسفہ ہمہ اوست بڑا دلکش اور ساحرانہ فلسفہ ہے۔ اس فلسفہ کے پیروکار انتہائی دلکش اور ذو معنی باتیں کرتے ہیں جو سامعین کو بہت متاثر کرتی ہیں۔ اس فلسفہ کے ماننے والے ہر وقت ترنگ میں رہتے ہیں اور اکثر صوفیاء کرام سستی، کاہلی اور کم کوشی کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جب سب وہی (اللہ) ہے تو پھر عبادت، ذکر اور عمل کی کیا ضرورت ہے۔ صرف وہی کام کرتے ہیں جو جسم و جان کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کچھ ہوشیار صوفی اپنی خواہشات اور نفس پرستی کی تسکین اور عوام کو متاثر کرنے کے لئے عملیات کا سہارا لیتے ہیں۔ فقیر خود چالیس برس اس فلسفہ کے سحر میں مبتلا رہا اس لئے اس کے اسرار و رموز سے خوب واقف ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا کہ اس ساحرانہ فلسفہ سے نجات ملی اور صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے ہوا۔ دراصل نیک نیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اگر انسان کی نیت ٹھیک ہو اور نفس پرستی کا اظہار نہ ہو تو اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی راہ ضرور دکھاتے ہیں کیونکہ یہ سنتِ الٰہی ہے۔

تصوف وہ پاک، صاف نورِ الٰہی ہے جسے اپنانے سے حضرتِ انسان پاک صاف ہو جاتا ہے اور قُربِ الٰہی حاصل کر لیتا ہے موجودہ دور میں نظریہ تصوف میں ناپاک اور گمراہ کن نظریات شامل

ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور کرم نوازی سے صراطِ مستقیم ملتا ہے۔ جب وہ پاک ذات کسی فرد سے کام لینا چاہتی ہے تو خود ہی فرد کا انتخاب کر لیتی ہے۔ فقیر کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ فقیر اپنے آپ کو اس عظیم کام کی تکمیل کے قابل نہیں خیال کرتا تھا لیکن جب اس کا کرم ہو تو ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔ الحمدُ لِلّٰہ۔

16۔ حضرت ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کی حقیقت:

حضرت ابن عربی کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ کائنات، وجودِ الٰہی کا عین ہے۔ فقیر نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا کہ اے باری تعالیٰ! مجھے ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کی حقیقت سے آگاہ فرما۔ فقیر عالم رویاء میں دیکھتا ہے کہ فقیر کی دائیں آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور بائیں آنکھ کھلی ہے۔ فقیر نے یہ تعبیر نکالی کہ کسی بھی شے کو ایک آنکھ سے دیکھنا، فکرِ پرواز میں کوتاہی کی طرف اشارہ ہے۔ تصویر کو اگر دونوں آنکھوں سے دیکھا جائے تو تصویر کے ہر رُخ کو بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر ایک آنکھ سے تصویرِ یار کو دیکھیں تو رُخِ زیبا کے کئی پہلوؤں سے آشنائی نہیں ہوتی۔ فقیر نے 16 اگست 2016ء کی شب کو استخارہ کیا کہ اے باری تعالیٰ! حضرت ابنِ عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے متعلق اپنی پسند یا ناپسند سے آگاہ فرما۔ فقیر عالمِ رویا میں دیکھتا ہے کہ فقیر بیڈمنٹن کھیلنے جا رہا ہے اور جو لڑکے وہاں کورٹ میں کھڑے ہیں ان کے پاس شٹل کاک نہیں ہے۔ فقیر ساتھ ہی ایک چھوٹی سی دوکان سے شٹل کاک اور پان خریدے۔ دوکاندار شٹل کاک کی قیمت زیادہ بتلاتا ہے پھر جھوٹ بولتا ہے کہ میں نے تھوڑی دیر پہلے آپ کو 500 روپے دیئے تھے وہ واپس کریں۔ فقیر کہتا ہے کہ آؤ مسجد چلیں اور آپ قسم کھائیں کہ آپ نے مجھے 500 روپے دیئے تھے۔ میں مسجد کی طرف چلتا ہوں لیکن وہ لڑکا میرے ساتھ نہیں آتا۔ پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ حضرت ابن عربی کا فلسفہ وحدت الوجود حقیقت پر مبنی نہیں اور اسی وجہ سے یہ فلسفہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

17۔ اسلامی تعلیم وحدانیتِ الٰہی: اے دوست! کلمہ طیبہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کی تفہیم و تعلیم ہی حقیقی اسلامی تعلیم توحیدِ الٰہی ہے، کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، دو کلمات کا مجموعہ ہے۔ (۱) پہلا حصہ لَا اِلٰہَ ہے جو کلمہ نفی ہے اور (۲) دوسرا حصہ اِلَّا اللّٰہ ہے جو کلمہ اثبات ہے۔ ''لَا اِلٰہ'' کو کلمہ نفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ کائنات کی کوئی شے بھی

معبود کا درجہ نہیں رکھتی اس لئے کائنات کی ہر شے کی نفی لازم ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے اثبات کے لئے کائنات کی ہر شے کی نفی کی جاتی ہے۔ دوسرا حصہ الا اللہ ہے جس میں ذاتِ حق یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کا اثبات کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اسے کلمہ اثبات کہتے ہیں۔ کلمہ الا اللہ کی تفہیم یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا اثبات کیا جائے کہ وہی حقیقی معبود ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ کائنات کی کسی شے یعنی خلق کو معبود کا درجہ نہیں دے سکتے اور نہ ہی کائنات کو وجود حق یعنی اللہ تعالیٰ کا عین کہہ سکتے ہیں۔

'' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی تعلیم یہ ہے کہ حضرت انسان اپنے قول و فعل سے اس پاک کلمہ کا اثبات کرے یعنی اپنی زندگی کے ہر فعل میں رضائے الٰہی کو شامل کرلے اور ذات یعنی نفس کی وہ خواہشات جو حق و انصاف کے راستہ میں رکاوٹ بنیں، انکی نفی کی جائے یعنی انہیں روکا جائے مراد برائیوں سے پرہیز کیا جائے۔ جب حضرت انسان نیک کام کریگا یعنی (نماز پڑھے گا، رزق حلال کھائے اور جھوٹ نہیں بولے گا اور زندگی کے تمام معاملات کو حق اور انصاف کی بنیاد پر حل کرے گا) اور برائیوں کو ترک کرے گا تو اس کا پاک کردار، پاک کلمہ کی عملی تفسیر بن جائے گا اور یہی حقیقی اثباتِ وحدانیت الٰہی ہے۔ اسی طریقہ سے حضرت انسان ''اِک مک'' کی کیفیت حاصل کرسکتا ہے اور یہی مقصود زندگی ہے یہ مقام جذبہ عشق سے حاصل کیا جاتا ہے۔

18۔ خلاصہ کلام: اس میں کوئی شک نہیں فلسفہ ہمہ اُوست (سب وہی (اللہ) ہے) یا فلسفہ وحدت الوجود اک طلسماتی فلسفہ ہے۔ اس فلسفہ کا لب لباب یہ ہے کہ ذات حق (خدا) واحد ہے اور کثرت کی صورت کائنات میں ظاہر ہوا۔ اس فلسفہ میں بندہ کو ذات حق سے ایک خاص رشتہ کے ذریعے ملایا جاتا ہے اور وہ رشتہ یہ ہے کہ ذاتِ حق کل ہے اور حضرت انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کا جزو ہے (نعوذ باللہ) حضرت انسان اسی مضبوط بندھن کی وجہ سے ''میں خدا ہوں'' یا میں ہوں کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ کلمہ ''میں ہوں'' اثبات خودی کا اظہار ہے۔ یہ کلمہ صریحاً شرکیہ کلمہ ہے جو نفس پرستی کا اظہار ہے۔ بقول آپ کے سب وہی ہے جب کوئی غیر نہیں پھر آپ کس کو کہہ رہے ہو ''میں ہوں'' آپ خود اپنے نظریہ کی نفی کر رہے ہیں۔ اے دوست! ذاتِ الٰہی کے اثبات کے لئے ''کہنا'' نہیں پڑھتا بلکہ

عمل کے ذریعے گواہی دینی پڑتی ہے۔ آپ اپنی نفسانی خواہشات کی نفی کر دیے پھر آپ کا قلب ''الا اللہ'' کی شہادت دے گا۔ اے دوست! دنیا غیر ہے یہ حسینہ اپنی طرف کشش کرتی ہے اور دوست سے جدا کرتی ہے۔ چونکہ دنیا اللہ تعالیٰ سے دور رکھتی ہے اس لئے یہ غیر اور حقیر ہے۔ اے دوست! تیرا نفس تیرا غیر ہے اور عین بھی۔ غیر اس لئے کہ جب نفسانی خواہشات کو پورا کریگا تو یہ تیرا غیر ہوگا کیونکہ یہ دوست سے دور کر رہا ہے اور جب تزکیہ نفس کرے گا تو تیرا نفس تیرا عین ہوگا نہ کہ ذات الٰہی کا عین کیونکہ تو دوست کے استقبال کے لئے اپنے قلب و ذہن کو صیقل کر رہا ہے۔ اس لئے غیر کو عین نہ سمجھ اے دوست! تصوف کا یہ پہلا قفل ہے جسے حدیثِ محبت سے کھولا جاتا ہے۔

اے دوست! یہ حقیقت ہے کہ خدا تجھ سے جدا نہیں اس لئے خدا شناسی کے لئے خود شناس ہونا لازم ہے یعنی خدا کی تلاش کیلئے تجھے اپنے نفس (ذات) کے ریگستان میں سفر عشق کرنا پڑیگا پھر تجھے عرفانِ الٰہی حاصل ہوگا۔

اے دوست! عرفانِ الٰہی یہ ہے کہ بندے کو اس حقیقت کا مشاہدہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے جدا نہیں۔ اس حقیقت کو اس کے حقیقی نقطہ نظر سے دیکھنا ہی حکمت ہے۔ اس حقیقت کے اظہار کی دو صورتیں ہیں (i) پہلی صورت یہ ہے کہ بندہ کہے ''تو ہی اللہ ہے''۔ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اقرار کرے مراد یہ کہ حضرت انسان اپنی ذات کی نفی کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا اثبات کرے۔ یہ مثبت نقطہ نظر ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور ہر نبی علیہ السلام کی یہی تعلیم تھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ کہے ''میں ہی رب ہوں'' جیسا کہ فرعون نے کہا تھا ''انا ربکم الاعلیٰ'' (میں ہی تمہارا اعلیٰ رب ہوں) یہ صریحاً شرکیہ کلمہ ہے کیونکہ بندہ اپنی ذات کو رب کی ذات کے ساتھ شریک کرتا ہے۔ اس کلمہ سے نفس پرستی اور تکبر کی بدبو آتی ہے جو منفی نقطہ نظر کی عکاسی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو شرک سخت ناپسند ہے۔

اے دوست! دونوں صورتوں میں حقیقت عیاں ہے جو حق ہے یعنی رب، انسان سے جدا نہیں لیکن نقطہ نظر کے اختلاف سے ایک بامراد ہو گیا اور دوسرا نامراد ہو گیا۔ ایک نقطہ کے بدلنے سے

کیا سے کیا ہو جاتا ہے یعنی بامراد نامراد میں بدل جاتا ہے۔

حضرت علامہ اقبال نے ایک ملاقات میں پروفیسر سلیم چشتی سے مسئلہ وحدت الوجود کے بارے میں سوال کیا۔ پروفیسر سلیم چشتی نے جواب دیا کہ مسئلہ وحدت الوجود کا تعلق قال سے نہیں بلکہ جب تک تم پر یہ حالت طاری نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا وجود نظر نہ آئے۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ سچ ہے کہ مسئلہ وحدت الوجود کا تعلق ''حال'' سے ہے ''قال'' سے نہیں۔ یہ سراپا کیفیتِ عشق ہے۔ جب تلک یہ ذہنی کیفیت طاری نہ ہو تو اس فلسفہ کی سمجھ نہیں آتی۔

وحدت الوجود سراپا ایسا ساز ہے جو جذبہ عشق کے سُروں سے تخلیق کیا گیا ہو۔ یاروں پر ایسی ذہنی کیفیت تو طاری نہ ہو سکی اور اس مسئلہ کو منطق و فلسفہ سے سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں جو سلجھنے کی بجائے الجھتا ہی جاتا ہے۔ اے دوست! ''انا'' کو شہید کر کے ''انا الحق'' کی تصویر بنتی ہے فِلا سفر تو ''انا'' کے تخت پر بیٹھ کر تسکین حاصل کرتے ہیں پھر وہ ''ایک مُک'' کی کیفیت سے کیسے گذار سکتے ہیں۔

فقیر ایک نسخہ عشق تجویز کرتا ہے۔ اس نسخہ پر دل و جان سے عمل کیجئے۔ انشاء اللہ تمام اسرار و رموز سمجھ آجائیں گے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ آپ ایک پروگرام بنائیں کہ میں نے روزانہ کم از کم دس ہزار بار درود شریف پڑھنا ہے۔ انشاء اللہ چار پانچ سال کے بعد آثارِ منزل نظر آنا شروع ہو جائیں گے ہو سکتا ہے منزل جلد مل جائے یہ تو چاہت اور لگن پر منحصر ہے۔

31 اگست 2015 کی رات کو فقیر نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کے ذریعے رجوع کیا اور عرض کی کہ اے باری تعالیٰ! فقیر نے ہمہ اوست، وحدت الوجود اور اسلامی نظریہ وحدانیت الٰہی کی حقیقت کے بارے میں جو نقطہ نظر بیان کیا ہے کیا وہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دکھایا کہ میرے ہاتھ میں انگور کا خوشہ ہے اور خوشہ پر چھوٹی چھوٹی کیڑیاں ہیں اور فقیر خوشہ کو کپڑے سے جھاڑ رہا ہے۔ الحمد اللہ کہ اللہ تعالیٰ کو میرا نقطہ نظر اچھا لگا۔ سفید خوشہ انگور سے مراد تصوف کا پاکیزہ اور میٹھا پھل ہے اور کیڑیوں سے مراد نفس پرستوں کے غلط عقائد و نظریات ہیں جنہیں فقیر جھاڑ رہا ہے۔

19۔ اسلامی نظریہ ''وحدانیت الٰہی'' کا حدیث رسول اللہ ﷺ اور سائنس کے ذریعے اثبات :

اے دوست! حضور پُر نور ﷺ کی ایک انتہائی خوبصورت دُعا ہے۔

''اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا ھِیَ''

(ترجمہ: (اے اللہ!) ہمیں اشیاء کی حقیقت سے آگاہی عطا فرما۔

اے دوست! حضرتِ انسان کی یہ فطری خواہش ہے کہ اسے اشیاء کی حقیقت سے آگاہی ہو اور اشیاء کی حقیقت سے آگاہی کا نام ''عرفان'' ہے۔ اے دوست! عرفان سے انسان کی ذات کی تکمیل ہوتی ہے اور یہی مقصودِ زندگی ہے۔

اے دوست! اشیاء کی حقیقت جاننے کے دو ذرائع ہیں:

i الہام کے ذریعے (عالمِ بیداری یا عالمِ رویاء میں)

ii علومِ سائنس کے ذریعے

I۔ الہام کے ذریعے: الہام کی بھی دو اقسام ہیں:

(i) عالمِ بیداری میں کسی مسئلہ پر غور و فکر کرتے ہوئے، اچانک مسئلہ کا حل مل جانا الہام کے زمرے میں آتا ہے اور (ii) دوسری قسم یہ کہ عالمِ خواب میں مسئلہ کا حل مل جائے۔ یہ سب رحمتِ الٰہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

II۔ علومِ سائنس کے ذریعے:

اشیاء کی حقیقت کو جاننے کا دوسرا اہم ذریعہ سائنسی علوم ہیں۔ سائنسی علوم میں اشیاء کی حقیقت کو جاننے کے لئے عملی تجربات کئے جاتے ہیں اور ان تجربات کی روشنی میں حقائق کو بیان کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ حقائق ٹسٹ کی بھٹی سے گذر کر سامنے آتے ہیں اسی وجہ سے یہ نتائج یقین کی حد تک حتمی ہوتے ہیں۔

اے دوست! سائنس ابھی تک اپنے ارتقائی دور سے گذر رہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ نت نئی ایجادات اور حقیقتیں سامنے آرہی ہیں۔ بیسوی صدی میں ایٹم کی دریافت ہوئی کہ کائنات کا بنیادی جزو ایٹم

(atom) ہی ہے اور ایٹم دو اجزاء پر مشتمل ہے (i) الیکٹرون (Electron) اور (ii) نیوکلس (Nucleus)۔ کچھ عرصہ بعد سائنس نے یہ دریافت کیا کہ نیوکلس (Nucleus) کے دو بنیادی اجزاء پروٹون (Proton) اور نیوٹرون (Neutron) بذاتِ خود کچھ بنیادی زروّں سے مل کر بنے ہوتے ہیں جنہیں ہم کوآرکس (Quarks) کہتے ہیں۔ اپنے چارج کے حساب سے کوآرکس کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ان میں ایک قسم کی اپ ٹائپ (Up Type) اور دوسری قسم کو ڈاؤن ٹائپ (Down Type) کہتے ہیں۔ اَپ ٹائپ کا چارج 2/3+ اور ڈاؤن ٹائپ کا چارج 1/3-، الیکٹرانک چارج کے برابر ہوتا ہے۔ کوآرکس کی تین فیمیلیز ہیں اور ہر فیملی میں دو کوآرکس ہوتے ہیں یعنی کوآرکس کی کل تعداد چھ (6) ہے۔ سنگل کوآرکس ایک بنیادی جزو ہے لیکن اکیلا نہیں رہ سکتا یعنی غیر مستحکم (unstable) ہے اور کوئی معنی خیز شے بنانے کے لئے اسے مزید کوآرکس کی ضرورت پڑتی ہے۔ سائنس کی دریافت ابھی تک کوآرکس تک محدود ہے۔ شائد آئندہ چند سالوں یا اگلی صدی تک کوئی اور بنیادی جزو دریافت ہو جائے البتہ کچھ سائنسدانوں نے سٹرنگ (String) کی تھیوری پیش کی ہے کہ سٹرنگ ہی وہ بنیادی جزو ہے جس سے کائنات وجود میں آئی۔ پاکستان کے مشہور سائنسدان ڈاکٹر عامر اقبال اس تھیوری کے مداح اور روحِ رواں ہیں ۔ یہ تھیوری میتھیمیٹکلی بڑی موزوں (Sound) اور مقبول ہے لیکن اس تھیوری کو ابھی تک عملی طور پر ٹسٹ کر کے ثابت نہیں کیا جا سکا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورت الحدید کی آیت نمبر 3 میں فرماتے ہیں

هُوَالاوَّلُ وَالاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ

(وہی سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے اور اپنی قدرتوں سے سب پر ظاہر اور پوشیدہ ہے)۔

آیت کریمہ سے یہ خوب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات قائم و دائم ہے اور وہ اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتوں کے ذریعے اس کائنات کی صورت میں ظاہر ہوا اور کائنات کے باطن میں اس کی پاک ذات چھپی ہوئی ہے۔

سائنس کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کے بنیادی جزو کے دریافت کے لئے مختلف پارٹیکلز کی تہہ در تہہ حقیقتوں کو جاننا لازم ہے۔ یہ تمام پارٹیکلز اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی نشانیاں اور حجابات ہیں۔ ان تہہ در تہہ حجابات (پردوں) کے پیچھے نورِ ذاتِ الٰہی چھپا ہوا ہے۔ حضور پرنور ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

''کہ اس کا نور حجاب ہے، اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دیں تو اس کے چہرہ انور سے وہ ساری مخلوق جل جائے، جہاں تک اک کی نظر پہنچے۔ (مُسلم)

حضور پرنور ﷺ کی حدیث مبارکہ سے دو باتیں مترشح ہیں:

(i) اللہ تعالیٰ کا نور مبارک حجابات میں ہے اور

(ii) دوسرے یہ کہ اگر نورِ ذاتِ الٰہی بعینہ اپنی اصلی صورت یعنی بغیر حجاب کے ظاہر ہو جائے تو کائنات کی ہر شے جل کر خاک ہو جائے۔

حدیث پاک ﷺ کی روشنی میں فلسفہ ہمہ اُوست کہ سب وہی (اللہ تعالیٰ) ہے اور فلسفہ وحدت الوجود ابنِ عربی کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات کا عین ہے دونوں نظریات کی نفی ہو جاتی ہے۔

اے دوست! سائنس کی رو سے سنگل کوآرکس ایک بنیادی جزو ہے لیکن unstable ہے اور منطق کی رو سے unstable یعنی غیر مستحکم، کامل کا عین نہیں ہو سکتا کیونکہ کامل کا عین کامل ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے حضرتِ ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے مرکزی خیال ''کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات کا عین ہے'' سائنسی اور منطقی لحاظ سے قابلِ قبول نہیں اور اسی طرح فلسفہ ہمہ اُوست کے بنیادی نظریہ ''کہ سب وہی (اللہ تعالیٰ) ہے'' بھی درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات غیر مستحکم نہیں ہو سکتی۔

اے دوست! کامل ذات کی قدرتِ کاملہ مشاہدہ کیجئے کہ غیر مستحکم (unstable) پارٹیکلز سے مستحکم اور عظیم کائنات تخلیق فرمائی۔ اے دوست! اللہ تعالیٰ کی پاک ذات ہی کامل ذات ہے جو ہر عیب اور تبدیلی سے پاک ہے اور یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے نہ کہ اس کی ذات کا عین۔

اے دوست! یہ اصول یاد رکھیں کہ تخلیق کبھی بھی تخلیق کار کا عین نہیں ہوتی۔ البتہ تخلیق اپنے خالق کی عظمت کی عکاسی ضرور کرتی ہے۔

30 مئی 2016ء بروز سوموار کی رات کو فقیر نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا کہ اے باری تعالیٰ! فقیر نے جو وحدت الوجود کو حدیث رسول اللہ ﷺ اور سائنس سے ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہے کیا آپ کو یہ کاوش پسند آئی ہے۔ اے مولائے کریم! اپنی رضا سے آگاہی عطا فرما۔

فقیر نے 2 رکعت نماز نفل پڑھ کر استخارہ کی دُعا پڑھی پھر "یا علیمُ یا خبیرُ اَخبِرنی" پڑھ رہا تھا کہ میرے مُنہ سے اچانک یہ الفاظ نکلے: "لاالٰہَ اِلّاَاللّٰہ وَحدَہٗ لاشریک لہ"۔ الحمد اللہ یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور دوسرے یہ کہ فقیر نے وحدانیت کے بارے میں جو لکھا ہے وہ درست ہے اس کے بعد فقیر یا علیمُ یا خبیر اخبر نی پڑھتا رہا اور پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ فقیر عالم رویاء میں دیکھتا ہے کہ فقیر کسی صاحب سے کہہ رہا ہے کہ میں نے حساب کے تمام سوال حل کر لئے ہیں اور سب ٹھیک ہیں۔ الحمدُ للہ! خواب کی تعبیر یہ نکلی کہ فقیر نے حدیث رسول اللہ ﷺ اور سائنس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت (اسلامی تعلیم توحید الٰہی) کو ثابت کیا ہے وہ نقطہ نظر درست ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی وجودِ حق ہے اور یہ کائنات بمعہ ذاتِ حضرتِ انسان، سب خلق ہے۔ کرم ہے اور صد شکر ہے اس پاک ذات کا جس نے یہ سعادت عطا فرمائی کہ اپنی ذات کی وحدانیت کے اثبات کی گواہی، فقیر کے قلم سے لکھوائی۔ الحمدللہ

20۔ صوفی بھائیوں اور فلاسفر و سائنسدانوں دوستوں کو فقیر کا عاجزانہ مشورہ:

تاریخ تصوف کے مطالعہ سے فقیر کو اس تشنگی کا بڑی شدت سے احساس ہوا ہے کہ کسی بھی صوفی بھائی اور فلاسفر دوست نے اپنے نقطہ نظر کو استخارہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل نہیں کی۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرتِ انسان کی ذات کے تعلق کے بارے میں آپ لکھ رہے ہیں اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے رائے لینے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔

اے دوست! جب آپ استخارہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رجوع کریں گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اپنی پسند یا ناپسند سے آگاہ فرمائیں گے۔ اے دوست! نفس پرستی کو چھوڑ اور رسمِ دوستی نبھا۔ اے دوست! ہر کام میں دوست کی رضا ہی تصوف کہلاتا ہے۔ چند اذکار اور عبادت کی ادائیگی کا نام تصوف نہیں بلکہ یہ وہ طرزِ زندگی ہے کہ جس میں زندگی کے ہر عمل چاہے وہ چھوٹا عمل ہو یا بڑا سب میں رضائے الٰہی کی خوشبو آئے۔ اے دوست! مسنون طریقہ میں ہی کامیابی ہے۔ استخارہ ظن نہیں بلکہ وہ یقین اور کامیابی ہے جس میں رضائے الٰہی اور سنتِ حضور پرنور ﷺ کی مہک شامل ہے۔ آپ یقینِ کامل سے اس کلیہ کو استعمال کریں، انشاء اللہ آپ کا نظریہ مقالہ اور ریسرچ پیپر امر بن جائے گا۔

اے دوست! استخارہ کیلئے دو رکعت نفل پڑھیں اور نیت میں یہ کہیں کہ اے باری تعالیٰ! میں نے یہ مقالہ یا مضمون یا جو نقطۂ نظر فلسفہ کی شکل میں بیان کیا ہے۔ کیا آپ کو یہ پسند آیا ہے۔ اے مالک! اپنی پسند اور ناپسند سے آگاہ فرما۔ 2 رکعت نفل میں کوئی بھی آیات مبارکہ پڑھ سکتے ہیں بعد نمازِ عشاء ۲ رکعت نفل نماز پڑھکر 11 بار درود پاک (کوئی بھی جو یاد ہو) پڑھیں اور استخارہ کی دعا پڑھیں۔ دعا پڑھنے کے بعد 101 بار سبحانک لاعلم لنا الا ماعلمتنا انک انت العلیمُ الحکیم پڑھیں اور پھر کثرت سے کم از کم 300 سے 500 بار یاعلیمُ یاخبیرُ اَخبِرنی پڑھیں اور پھر کسی سے بات نہ کریں اور سو جائیں۔ ہوسکتا ہے، سوتے ہی آپ کو اشارہ مل جائے۔ تہجد کے وقت (رات 2 بجے یا 3 بجے) جو آپ کو نظر آئے وہ یاد کر کے نوٹ کرلیں اور کسی جید عالم سے تعبیر پوچھیں۔ عام آدمی چاہے وہ عزیز یا دوست ہو اس سے آپ خواب کا ذکر نہ کریں۔ بعض اوقات انتہائی صاف ستھرے خواب نظر آتے ہیں مثلاً نہر، چشمہ یا دریا کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا پانی۔ پکی سڑک، باغ یا چمن وغیرہ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ کام ٹھیک ہے یعنی پسندیدہ ہے۔ اے دوست! اخلاص کے آنسوؤں سے ہر شے کا حل مل جاتا ہے۔

اے دوست! دوسرا طریقہ یہ ہے کہ 2 رکعت نماز نفل پڑھیں اور نیت میں یہ کہیں کہ اے باری تعالیٰ! میں تیری رضا کا متلاشی ہوں۔ میرے اس مسئلہ میں میری مدد فرما اور میری زبان پر میرے مسئلہ کا حل جاری کردے۔ 2 رکعت نماز نفل بعد نماز عشاء پڑھیں۔ اس کے بعد درود پاک کی تسبیح

(100) بار کریں اور پھر ''یا ہادیٔ'' اس وقت تک پڑھیں جب تک آپ کی زبان پر کچھ الفاظ جاری نہ ہو جائیں۔ انشاء اللہ پڑھتے پڑھتے آپ کو ہلکی سے اونگھ آئے گی اور آپ کی زبان پر ''ہاں'' یا ''نہیں'' یا کوئی اور لفظ جاری ہو جائے گا۔ اسی لفظ کے مطابق آپ اپنے مسئلہ کا حل سمجھیں۔

21۔ معرفتِ الٰہی:

معرفت عربی لفظ ''تعریف'' سے ماخوذ ہے حالانکہ یہ خود مصدر ہے۔ معرفت کے معنی جاننا اور پہچاننا کے ہیں۔ اس لئے معرفتِ الٰہی اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کو جاننے اور پہچاننے کے ہیں۔ جاننے اور پہچاننے کے چار طریقے ہیں۔

(۱) صورت دیکھ کر (۲) صفات دیکھ کر یعنی علم و حکمت کے موتی اور شاہکار دیکھ کر (۳) آواز سن کر اور (۴) لمَس کے ذریعے سے۔

پہلی صورت سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ممکن نہیں کیونکہ ہماری بینائی نورِ دیدارِ الٰہی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ البتہ عالم رویاء میں دیدارِ الٰہی ہو سکتا ہے۔ انسانی روح کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ وہ دیدارِ الٰہی کر سکتی ہے۔ کیونکہ روح امرِ الٰہی ہے۔ حضور پُرنور ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے۔

''کہ اس کا نور حجاب ہے۔ اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دیں تو اس کے چہرہ انور سے وہ ساری مخلوق جل جائے جہاں تک اس کی نظر پہنچے (مسلم)۔

دوسری صورت کے بارے میں عرض ہے کہ یہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی صفات یعنی علم و حکمت اور کامل قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔ یہ تمام کائنات سائنسی بنیادوں پر قائم ہے۔ زمین، سورج، چاند کشش ثقل اور نظامِ کہکشاں کی ذرا سی لغزش یعنی ان کی رفتار، مدار اور قوت میں معمولی سی کمی و بیشی تمام کائنات کو تہہ و بالا کر سکتی ہے۔ اس لئے یہ نظریہ کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں آئی ہے۔ ایک غیر دانشمندانہ فکر کی عکاسی کرتی ہے۔ تیسری اور چوتھی صورت کے مشاہدہ کے لئے مجاہدہ بہت ضروری ہے۔ مجاہدہ سے مراد تزکیہ نفس کو اپنانا درود پاک اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فقیر پر خاص کرم ہے کہ ان دونوں صورتوں (غیبی آواز اور لمَس) کا کثرت سے مشاہدہ کرایا۔ الحمدُ للہ

ایسا اس لئے ہوتا ہے تا کہ سالک کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر حق الیقین حاصل ہو۔

حدیث قدسی:۔ "کُنتُ کنزاً مَخفیاًفَاَحببَتُ اِن اُعرِف فَخَلَقتُ الخَلقَ"

ترجمہ: میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ متعارف ہو جاؤں۔ اس لئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی سورۃ الذاریات کی آیت نمبر 56 میں فرماتے ہیں۔

وَمَاخَلَقتُ الجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ.

ترجمہ: اور میں نے جن وانسان کو اس غرض سے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

حدیثِ قدسی سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات اور ذات سے متعارف کرانے کیلئے اس عظیم کائنات کی تخلیق کی اور قرآن کریم کی آیت مبارکہ ہمیں بتلاتی ہے کہ جنوں اور انسانوں کی پیدائش کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے۔ عبادت عربی زبان کے لفظ ''عبدیت'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی پرستش اور انکساری کے ہیں یعنی ذہنی و عملی طور پر (دلی طور پر) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، عظمت و کبریائی کو تسلیم کرنا اور اسی پاک ذات کو الٰہ یعنی معبود سمجھنا اور حضرت انسان کا اپنے اعمال میں عاجزی وانکساری کا اظہار کرنا ہی اصل عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔

اِنَّنِیۤ اَنَا اللّٰہ لَاۤاِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدنِیۡ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکرِیُ (طٰہٰ : ۱۴)

ترجمہ: بیشک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری بندگی اور میری ہی یاد کیلئے نماز قائم کروں۔

اے دوست! اللہ تعالیٰ نے خود ہی یاد کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا ہے کہ صلوۃ (نماز) کے ذریعے اسے یاد کیا جائے۔ نماز ہی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور عبادت کا بہترین طریقہ ہے۔ نماز قائم کرنے کے دو طریقے ہیں (i) دن رات میں پانچبار روزانہ نماز پڑھنا (ii) نماز کو نیک اعمال کے ذریعے معاشرہ میں قائم کرنا یعنی رزقِ حلال اور حق مقال کو ہر کام میں یاد رکھنا۔ حقوق العباد کا خیال رکھنے سے

نمازیں، صدقہ، خیرات قبول ہوتے ہیں اگر کوئی نماز باجماعت پڑھتا ہے لیکن جھوٹ، ملاوٹ اور بے ایمانی سے باز نہیں آتا تو حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں ایسی نمازیں قیامت کے روز اس فرد کے منہ پر ماری جائیں گیں۔

اے دوست! نماز کی روح کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے تا کہ ہماری نمازیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوں اور پاکیزہ معاشرہ قائم ہو۔ دینِ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ انفرادی سطح پر اور اجتماعی طور پر یکساں زور پاکیزگی پر دیتا ہے۔

22۔ اقسام معرفتِ الٰہی:

اے دوست! معرفتِ الٰہی کی دو اقسام ہیں۔

(i) معرفتِ صفاتِ الٰہی (معرفتِ عام)

(ii) معرفتِ ذاتِ الٰہی (معرفتِ خاص)

معرفتِ صفاتِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 31 میں فرماتے ہیں۔

(i) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

(ترجمہ: اور آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام سکھائے)

(ii) اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ الجاثیہ آیت نمبر 13 (پارہ 25) میں فرماتے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیعاً مِّنهُ

(ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس نے سب کا سب تمہارے تابع فرما دیا۔

ان آیات مبارکہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام علومِ کائنات، حضرت انسان کو سکھا دیئے یعنی اپنی صفت علم و حکمت عطا فرمائی تا کہ حضرت انسان علمِ کائنات سے استفادہ حاصل کرے اور اپنے رب کی عظمت و کبریائی اور وحدانیت کا اقرار اور اپنے عجز کا اظہار کرے اور ہر کام میں

(چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا) رضائے الٰہی کا خیال رکھے۔ اس طریقہ کار کو عام معرفتِ الٰہی بھی کہتے ہیں کیونکہ عام آدمی سے لے کر وزیر اعظم تک یعنی ہر فرد چاہے وہ مزدور ہو یا وزیر، دفتر کا نائب قاصد ہو یا سینئر بیوروکریٹ، وکیل ہو یا جج، سولجر ہو یا جرنیل، سیاسی کارکن ہو یا سیاستدان، اینکر پرسن ہو یا بینکر، کارپینٹر ہو یا انجینئر، نرس ہو یا ڈاکٹر، تاجر ہو یا صنعت کار، طالب علم ہو یا استاد، لیب اسسٹنٹ ہو یا سائنسدان سب لوگ اپنے اپنے شعبہ میں ایمانداری سے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کام کریں۔ اس طریقہ کار کے بہت فوائد ہیں:

(i) انسان خود پاکیزہ ہو جاتا ہے جو مقصودِ حیات ہے۔

(ii) معاشرہ کا رخ صراطِ مستقیم کی طرف ہو جاتا ہے اور نتیجتاً معاشرہ بھی پاکیزہ ہو جاتا ہے۔

(iii) اللہ تعالیٰ کی رضا اور معرفت حاصل ہوتی ہے۔

(iv) رضائے الٰہی سے گیسوئے یار کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ جو ہزار جنتوں سے افضل ہے۔

معرفتِ ذات الٰہی:

معرفتِ ذاتِ الٰہی کو معرفت خاص بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ خواص کے لئے ہوتی ہے جن کی رَگ رَگ میں آتشِ عشق بھڑکی ہوئی ہوتی ہے۔ جب تلک پروانہ کی طرح شمع پر جان نثار نہ کر دیں، چین ہی نہیں آتا۔ یہ انتہائی دشوار راستہ ہے اور تصوف کا اعلیٰ مقام ہے اس مقام پر سالک ہر کام میں اور ہر لمحہ ذات کا احتساب کرتا ہے اور ہر دم رضائے الٰہی کے لئے اپنی ذات کی نفی کرتا ہے اور لا الـلـه الا الـلـه کا ذکر کم از کم دس ہزار سے تیس ہزار بار روزانہ کرتا ہے۔ اس مقام کو تسخیرِ ذات کا مقام بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت انسان اپنی ذات کی نفی کر کے ذاتِ احد کا اثبات کرتا ہے۔ اس مقام کی پہچان کے لئے فقیر اک مثال عرض کرتا ہے۔ کسی نے مجنوں سے پوچھا کہ لیلیٰ کہاں ہے تو مجنوں نے کہا ''میں ہی لیلیٰ ہوں۔ یہ ہے کیفیت ''اِک مَنک''۔

23۔ طریقہ حصولِ عرفانِ الٰہی (معرفتِ الٰہی):

عرفان لفظ معرفت سے ماخوذ ہے اوراس کے معنی بھی آگاہی، جاننے اور پہچاننے کے ہیں۔ اسطرح عرفانِ الٰہی کے معنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو جاننے اور پہچاننے کے ہیں۔آگہی کا یہ مقام ''حالتِ قال'' کی غمازی کرتا ہے کیونکہ علم ہے لیکن عمل نہیں یعنی قلب وذہن پر اسکی کیفیت وارد نہیں۔

اے دوست! یہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات، حضرتِ انسان کی ذات سے جدا نہیں اور جب ''عرفان'' کی یہ کیفیت حضرتِ انسان کے قلب وذہن پر وارد ہو اور ارادہ وعمل سے اس کا اظہار ہو تو یہ وہ حقیقی عرفان ہے جو ''اِک مُک'' کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے اور یہی مقصودِ زندگی ہے۔
اے دوست! سرور ومستی کی یہ کیفیت جذبہ عشق کے نور سے حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ یار لوگ اسے بے لذت مجاہدہ اور خشک فلسفہ ومنطق سے حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن سب بے سود کیونکہ جذبہ عشق کی کمی ہوتی ہے۔

اے دوست! فراقِ غم میں بہائے گئے آنسو چاہت کے وہ گوہرِ آبدار ہیں جو وصل کی لذتوں سے آشنا کرتے ہیں۔اس لئے چاہت کی جوت جگا، تاکہ گوہرِ مقصود حاصل ہو۔

اے دوست! حصولِ معرفت الٰہی کی بنیاد ''تزکیہ نفس'' ہے یعنی برائیوں سے اجتناب کرنا اور نیکی کے ایسے کام کرنا جس سے حضرت انسان کی عزت، وقار میں اضافہ ہو اور اسکی پریشانیاں کم ہو مراد یہ کہ حضرت انسان کی زندگی کے ہر قدم پر اسے سکھ مہیا کرنا ہے، رزق حلال اور حقِ مقال (سچ بولنا) زندگی میں اعتماد اور یقین پیدا کرتا ہے جو حُسنِ زندگی ہے۔اے دوست! حدیثِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق ''ایمان کا مآخذ انسان کی عزت کرنا ہے'' یعنی حقوق العباد کی ایمانداری سے ادائیگی ''کامل ایمان'' کی نشانی ہے۔آج کے مسلمانوں نے ''حقوق العباد'' اور ''رزقِ حلال'' کی طرف دھیان چھوڑ دیا ہے اور اسی وجہ سے معاشرہ میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔دانش ور حضرات، گدی نشین صوفیاء کرام اور علماء کرام ''حقوق العباد'' اور ''رزق حلال'' پر زور نہیں دیتے جسکی وجہ یہ ہے کہ خود اس نشانہ کی زد میں آتے ہیں۔اے

دوست! انسانی ذات اور معاشرہ میں تبدیلی ''خود احتسابی عمل'' سے آتی ہے کیونکہ یہ قانونِ قدرت ہے۔

اے دوست! سچا صوفی بننے کے لئے دوسری بنیادی شے ''جذبہ عشق'' ہے۔اگر کسی فرد میں یہ جذبہ نہیں تو پھر وہ ''سچا صوفی'' نہیں بن سکتا۔جذبہ عشق کی پہچان یہ ہے کہ فراقِ غم دوست میں آنکھ سے لہو ٹپکے تو اسی مہوش کا نام بنے۔خودی سے بے خودی کے سفر کو ''سفرِ عشق'' کہتے ہیں۔اے دوست! کیفیتِ بے خودی کی پہچان یہ ہے کہ کسی نے مجنوں سے پوچھا کہ لیلیٰ کہاں ہے تو مجنوں نے جواب دیا ''میں ہی لیلیٰ ہوں'' تیسری اہم بات ''ذکرِ یار'' ہے۔ذکر کے معنی یاد کرنا کے ہیں اور یاد کرنے کے تین طریقے ہیں (i) زبان سے ذکر کرنا،اس کے بھی دو طریقے ہیں:

(A) خفی (خاموشی سے ذکر کرنا) اور (B) بلند آواز سے ذکر کرنا (ii) دوسرا طریقہ ذہن کے ذریعے ذکر کرنا۔اس طریقہ میں خفی طریقہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔زبان کی بجائے ذہنی توجہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔اس طریقہ سے ذکر کی رفتار زبان کی رفتار سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔علماء کرام زبان کے ذریعے ذکر کی تلقین کرتے ہیں جبکہ صوفیاء کرام ذہنی طریقہ کو اولیت دیتے ہیں۔کیونکہ جب تلک کسی بات سے ذہن متاثر نہیں ہوتا اس وقت تک نتیجہ بہتر نہیں آتا جب ذہن متاثر ہوگا تو جسم کا انگ انگ متاثر ہوتا ہے۔مشاہدہ دنیا ہے کہ اگر کسی فرد کا ذہن کسی بھی کام کو کرنا چاہے تو وہ بہ آسانی کر لیتا ہے۔تھکاوٹ اور اکتاہٹ محسوس ہی نہیں ہوتی کیونکہ آپ کے ذہن کی Committment ہے۔کامیابی کا یہی راز ہے۔

(iii) تیسرا ذکر نیک اعمال (رزق حلال اور حق مقال (سچ بولنا یعنی حق کی بات کرے چاہے اپنی ذات یا اولاد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو)

اے دوست! روح کی غذا ''ذکرِ الٰہی'' ہے۔اس لئے روح کی جلا اور بالیدگی کے لئے اوّل ''درود پاک'' کی کثرت کرنی چاہئے یعنی کم از کم دس ہزار بار روزانہ۔اے دوست!

درود پاک کی کثرت سے ''کشف'' اور ''ہدائت'' کے راستے کھلتے ہیں۔جس سالک کا کوئی پیر نہیں اس کا پیرورہنما ''درود پاک'' ہے۔فقیر بڑے وثوق سے اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔فقیر کو جو ''عرفانِ وحدانیتِ الٰہی'' ملی ہے وہ درود پاک کے طفیل ہی ملی ہے۔الحمداللہ! فقیر نے 2005 تک ایک کروڑ بار درود پاک پڑھ لیا ہے۔

ذکر کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کلمہ شریف لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ محمدٌ رَّسولُ اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جائے۔کلمہ شریف کے ساتھ درود پاک کو ملا کر بھی پڑھ سکتے ہیں، وہ ایسے کہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ محمدٌ رَّسولُ اللہ صَلَّ اللہُ عَلٰی مُحَمَّدِوَّ اٰلِہ وَسَلَّم ۔الحمدللہ فقیر نے تیس لاکھ بار کلمہ شریف اور درود ملا کر پڑھا ہے۔عالم رویاء میں حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر کے اس عمل کی تصدیق اور رہنمائی فرمائی۔الحمدللہ۔حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ نوشاہی کے بانی ہیں اور آپ کا مزار مبارک تحصیل پھالیہ میں ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ تقریباً 350 سال پہلے اسلام کی تبلیغ کے لئے تشریف لائے تھے۔

لطائف ستّہ: صوفیاء کرام میں ذکر کا ایک معروف طریقہ ''لطائف ستّہ'' بھی رائج ہے لطائف ستّہ کے دریافت کا سہرا حضرت جنید بغدادی کے سر ہے۔

لطائف ستّہ کے لغوی معنی چھ لطائف کے ہیں۔لطائف، لطیفہ کی جمع ہے اور لطیفہ کے معنی اچھی چیز، دلچسپ اور انوکھی بات کے ہیں تصوف میں چھ لطائف سے مراد چھ روحانی اسباق ہیں جو سالک کو لازمی طے کرنے پڑتے ہیں کیونکہ ان اسباق کو طے کئے بغیر خلعتِ ولائت عطا نہیں کی جاتی۔ان اسباق کو کامل پیرومرشد کی رہنمائی میں مکمل کرنے چاہئے کیونکہ کامل پیر ہی ان روحانی اسباق کے انوار و برکات اور اشارات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔سالک ان اشارات کے اسرار و رموز سے آگاہ نہیں ہوتا اس لئے بغیر پیرومرشد ان اسباق کا ذکر سودمند نہیں

ہوگا۔فقیر نے 6 مارچ 2017 کو پیرومرشد حضرت قاری غلام دستگیر، ماتانی، کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ پیرومرشد نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔نقشبندی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے اسم ذات ''اللہ'' کا خفی (خاموشی) ذکر، زبان کو تالو سے لگا کر کیا جاتا ہے اور ذہنی توجہ کو لطیفہ کے مقام پر رکھا جاتا ہے اور ہر دم، ہر وقت ہر لمحہ ''اللہ'' کا ذکر کیا جاتا ہے۔تصوّف کے یوں تو بہت سلسلے ہیں لیکن چار سلسلے بہت مشہور ہیں: (i) نقشبندی سلسلہ کے جدّ امجد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق علیہ السلام ہیں جبکہ (ii) قادریہ (iii) چشتیہ اور (iv) سہروردیہ سلسلوں کے جدِ امجد سیدنا حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ یہ چاروں سلسلے حضور پرنور محمد ﷺ سے جا کر ملتے ہیں۔

لطائفِ ستّہ کا مختصر تعارف: (i) پہلا لطیفہ ''**لطیفہ قلب**'' ہے جس کا مقام بائیں پستان کے دو انگلی نیچے ہے۔اسم ذات ''اللہ'' کا ذکر کرتے وقت گردن کو ذرا سا بائیں جانب موڑ کر ''خفی'' طریقہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔

(ii) دوسرا لطیفہ: ''**لطیفہ روح**'' ہے، اس کا مقام دائیں پستان کے ذرا دو انگل نیچے ہے۔گردن کو دائیں جانب ذرا سا موڑ کر ذہنی توجہ کو مقام لطیفہ روح پر رکھی جاتی ہے اور خاموشی سے اسم ذات الٰہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(iii) تیسرا لطیفہ ''**لطیفہ سِر**'' ہے۔اس کا مقام سینہ کا نچلا حصہ ہے جہاں سے پسلیاں دو اطراف (دائیں اور بائیں) کو جدا ہوتی ہیں اس مقام پر توجہ مرکوز رکھ کر ذکرِ اسم ذات کیا جاتا ہے۔

(iv) چوتھا لطیفہ ''**لطیفہ نفس**'' ہے جس کا مقام ناف کے نیچے ہے۔

(v) پانچواں لطیفہ ''**لطیفہ ذکر مصطفیٰ ﷺ**'' ہے۔دونوں ابروؤں کے درمیان اس کا مقام ہے۔

(vi) چھٹا لطیفہ ''**لطیفہ خفی**'' ہے۔اس کا مقام ماتھے پر جہاں سے سر کے بال شروع ہوتے ہیں۔

مقصد لطائف ستّہ:

لطائف ستّہ کا صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ صوفی کو قُربِ الٰہی حاصل ہو یعنی ''اِک مُک'' کی کیفیت حاصل ہو مُراد ''من تو شدم تو من شدی'' کا رنگ غالب آئے بہ دیگر الفاظ ''یک جان اور دو قالب'' کی صورت حاصل ہو۔

اے دوست! لطائف ستّہ اصل میں وہ روحانی تربیتی پروگرام ہے جس سے حضرتِ انسان کی ذات کی تکمیل ہوتی ہے جو مقصودِ زندگی ہے۔ حضرتِ انسان کی ذات کی تکمیل درج ذیل مراحل سے گذر کر ہوتی ہے:

ذات کی تکمیل کے مراحل:

ذات کی تکمیل کا پہلا اور بنیادی مرحلہ حصولِ ''پاکیزگی نفس'' ہے جو جہادِ اکبر ہے اور دوسرا مرحلہ جذبہ ''عشق الٰہی'' ہے جو عرفانِ اثبات ذات یعنی ''اِک مُک'' کی کیفیت سے آگاہ کرتا ہے۔

۱۔ پاکیزگی نفس:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ الاعلیٰ کی آئت نمبر 14 میں پاکیزگی نفس'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی

ترجمہ: بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا

حضور پُرنُور محمد ﷺ کی حدیث مبارک ﷺ ہے:

اے وہ ذات ! جس کی توجہ پاک، ایماندار نفس کی طرف ہوتی ہے (بحوالہ ''کہے فقیر''، صفحہ نمبر 62، سید سرفراز اے شاہ صاحب)

پاکیزگی نفس کی اہمیت قرآن پاک اور حدیث رسول ﷺ سے خوب واضح ہے۔ اس لئے ''تزکیہ نفس'' کو اپنائے بغیر تصوّف کے مقامات اور ان کی کیفیات و قلبی واردات کو سمجھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا ممکن نہیں۔ اے دوست! حضرتِ انسان کی پاک دامنی پر تو فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔ اس لئے اس کی اہمیت کو سمجھ اور اپنی چاہت کی بنیاد کو مضبوط بنا۔

i۔ نفس کی صفات، ضروریات اور خواہشات:

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کی سورۃ الشمس کی آیات 7 تا 10 میں فرماتے ہیں:

وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا (۷) فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا (۸) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (۹) وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (۱۰)

ترجمہ: قسم ہے نفسِ انسانی اور اسکی جس نے اس کے اعضاء کو برابر کیا پھر اس کو بدکاری اور پرہیزگاری کرنیکی سمجھ دی کہ جس نے نفس کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔

اے دوست! نفسِ انسانی کی دو صفات ہیں: برائی کرنا اور پرہیزگاری یعنی تزکیہ نفس کرنا۔ اے دوست! زندہ نفس کی مندرجہ ذیل ضروریات اور خواہشات ہیں:

ii۔ غذا:

انسانی جسم و جاں کو زندہ رہنے کے لئے پانی اور پروٹین کی اشد ضرورت ہوتی

ہے۔ پروٹین کی ضرورت کو غذا (بھوجن) یعنی اناج، گوشت، دالیں، دودھ، دہی اور سبزیوں کے ذریعہ پوری کی جاتی ہے۔ حضرت انسان کے نفس (جان، ذات) کی یہ پہلی بھوک، ضرورت اور خواہش ہے۔ تندرست اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لئے ''پاکیزہ غذا'' یعنی رزقِ حلال لازم ہے۔ پاکیزگی نفس، تصوّف کی پہلی اور بنیادی منزل ہے۔ فقیر کا مشاہدہ ہے کہ کچھ نام نہاد صوفیاء حلال وحرام میں تمیز نہیں کرتے اور غیر شرعی افعال کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ یہ نفس پرست ہمہ اُوستی فلسفہ پر چلنے والوں کا رنگ ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

iii۔ شہوت:

حضرت انسان کی دوسری بڑی بھوک ''شہوت'' ہے جو نفس انسانی کی فطری خواہش وضرورت کے ساتھ زندگی کی بقا کے لئے ایک حسین فطری اور لازمی عمل بھی ہے۔ یہ ایک انتہائی طاقتور جذبہ ہے۔ اس لئے اگر اس کو مثبت انداز میں استعمال کیا جائے یعنی حلال طریقہ سے پورا کیا جائے تو ذات کے حُسن میں اضافہ ہوتا ہے۔

''لطیفہ قلب'' کے روحانی سبق سے ''شہوت'' پر کنٹرول ہوتا ہے جو ذات کی تکمیل میں مدد کرتا ہے۔

iv۔ غصّہ:

نفسِ انسانی کی تیسری اہم صفت ''غصّہ'' ہے جو ایک فطری جذبہ ہے۔ غصّہ ایک زبردست ''انرجی (ENERGY)'' ہے جس کی صفات دو دھاری تلوار کی

مانند ہے۔اگر یہ انرجی مثبت طریقہ (صبر وشعور) سے استعمال کی جائے تو زندگی کے مسائل اور پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔صحیح فیصلوں سے ذات پر یقین اور حُسنِ کردار میں نکھار آتا ہے لیکن اگر یہ منفی رُخ (جلد بازی اور انا پرستی) اختیار کر جائے تو زندگی عذاب بن جاتی ہے۔

اے دوست! پاک و ہند کے باشندوں کا المیہ ہے کہ معاشرہ میں مشورہ (Consultation) اور صبر کی تلقین تو کی جاتی ہے لیکن عملی تجربہ مفقود ہے جبکہ حضرتِ انسان کی فطرت، عملی مظاہرہ سے متاثر ہوتی ہے اور پھر تقلید کی جانب مائل ہوتی ہے۔لوگوں میں برداشت کے جذبہ کو ابھارنے کی اشد ضرورت ہے تا کہ شعور کے نور سے زندگی کے راستے روشن ہو جائیں۔صبر و برداشت برف کی مانند ہے جو باہر سے سرد اور اندر سے خوب گرم ہوتی ہے جو زندگی کی علامت ہے۔

حضور پرنور محمد ﷺ کی حدیث مبارک ﷺ کا مفہوم ہے:

''کہ جس نے غصہ کو پیا، اس کے لئے جنت ہے''۔

ایک اور خوبصورت حدیث رسول اللہ ﷺ ہے:

''جو خاموش رہا، اس نے نجات پالی''

اے دوست! لطیفہ سِر کے روحانی سبق سے حضرتِ انسان کو غصّہ پر کنٹرول حاصل ہو جاتا ہے جو ذات کی تکمیل اور اس کے حسن و جمال میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔

۷۔کامل پاکیزگی نفس:

کامل پاکیزگی نفس (کردار وعمل) یعنی ثیقلِ قلب وذہن ''تصوف'' کی بنیاد ہے اور ''دُرِعشق'' کا جوہر ہے۔لطیفہ نفس جو روحانیت کا چوتھا سبق ہے، نفس کی صفات سے آگاہی اور کامل پاکیزگی نفس (نفسِ مطمئنہ) سے روشناس کراتا ہے۔

vi۔فکرانسانی:

نفس انسانی (زندہ انسان) کی سب سے حیرت انگیز عضو اس کا ذہن ہے جو فکر، ارادہ اور عمل کی آماجگاہ ہے۔ذہن انسانی ''اسماءِ کُلّہا'' یعنی تمام علومِ کائنات کا خزانہ ہے۔فکرِ انسانی یعنی انسان کا مائنڈ سیٹ (MIND SET) اسکے عمل کی غمازی کرتا ہے جس سے زندگی کا تانا بانا بنتا ہے مراد یہ کہ فکرِ انسانی ہی مثبت یا منفی عمل و زندگی کی صورت کا تعین کرتی ہے۔مثبت اندازِ فکر انسان کی زندگی کو گل وگلزار بنا دیتی ہے جبکہ منفی اندازِ فکر سے زندگی دوزخ کا نمونہ بن جاتی ہے مُراد یہ کہ باطل کی سیاہی اور حق کے نور کی کرنیں ذہنِ انسانی کے خواص ہیں۔حاصل کلام یہ کہ حق یا باطل کا انتخاب حضرتِ انسان نے خود کرنا ہے۔اسی قانون کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم سورۃ الرعد (پارہ 13) آیت نمبر 11 میں فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِرُ وا مَا بِاَنْفُسِھِمْ

ترجمہ: بے شک خدا ہرگز تغیر (تبدیلی) نہیں ڈالتا جب تک لوگ خود اپنی نفسی (ذہنی) حالت میں تغیر نہ ڈالیں۔

اے دوست! خالقِ کائنات کا حضرتِ انسان پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ ہدائت اور علم وحکمت کے لئے پیغمبرانؑ مبعوث فرمائے۔ راہِ ہدائت کا سٹارٹ ''ایمان'' سے ہوتا ہے جو روحانیت کا پہلا پڑاؤ یا مقام ہے۔ کلمہ اِلٰہی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کے اقرار سے نورِ ایمان ملتا ہے اور اس عہد کے دو اہم جزو ہیں:

i۔ اللہ تعالیٰ کو ''واحد معبود'' تسلیم کرنا

ii۔ حضور پُرنور محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول ماننا اور اس حصے کے بھی دو جزو ہیں:

حضور پرنور ﷺ کو رسول اللہ ماننے سے مراد تعلیمِ رسالت ﷺ کو تسلیم کرنا ہے جو دو باتوں کا مجموعہ ہے:

i۔ حدیثِ (قول) رسول اللہ ﷺ

ii۔ سُنتِ (عمل) رسول اللہ ﷺ

حدیث رسول اللہ ﷺ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو ماننے سے ایمان کامل ہوتا ہے اور ان دونوں پر عمل کرنے سے نورِ ایمان بڑھتا ہے جو باعثِ قربِ الٰہی بنتا ہے۔

اے دوست! اعلانِ نبوت سے پہلے لوگ حضور پُرنور ﷺ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ اس لئے تو بھی اس عظیم سُنت رسول اللہ ﷺ کو اپنا یعنی ایماندار بن جا تا کہ تیری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔ اے دوست! یہ اصول یاد رکھ کہ ایمانداری سے ایمان قائم رہتا ہے جو فرد اور معاشرہ دونوں کو درست رکھتا ہے۔ صد افسوس کہ مسلمانوں نے مجموعی طور پر اس اہم اور بنیادی سُنت رسول اللہ ﷺ کو

ترک کردیا ہے یہی وجہ ہے کہ قتل وغارت ،دہشت گردیاں، بیماریاں اور پریشانیاں عام ہیں اور ہم اتنے ''بے حس'' ہو چکے ہیں کہ ''احساسِ زیاں'' پر کوئی آنکھ نم نہیں۔ چند سال پہلے فقیر کی دو مشہور اینکرز صاحبان سے علیحدہ علیحدہ ملاقات ہوئی۔ فقیر نے دونوں صاحبان سے ایک ہی سوال کیا ''کہ آپ ''حق'' بات کیوں نہیں کہتے۔ دونوں اینکرز صاحبان نے ایک ہی جواب دیا ''کہ حق کیا ہوتا ہے''؟ ''حق'' پیسہ ہے؟ فقیر نے اس جواب پر استغفر اللہ کہا اور پریشان ہو کر گھر کی راہ لی۔ جب ایک PHD کی یہ سوچ ہے تو عام آدمی کی کیا سوچ ہوگی۔ مقامِ فکر ہے۔ قوم یعنی معاشرہ کو اس غلط سوچ اور عمل سے باہر نکالنا ہے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ معاشرہ کا ہر انسان اپنے ذہن میں تبدیلی لائے اور وہ تبدیلی یہ ہے کہ میں نے ہر کام میں ایمانداری کو اختیار کرنا ہے

توجہ ذہن (Concertration of Mind)

''توجہ ذہن'' حضرتِ انسان کے ذہن کی وہ اعلیٰ، باکمال اور طلسمی صفت ہے جس سے قلب و ذہن کو تسخیر کیا جاتا ہے۔ یہی وہ جادوئی صفت ہے جو ''دوئی'' کو ختم کر کے ''اِک مُک'' کی کیفیت سے دوچار کرتی ہے۔ توجہ ذہن کی بھی دو اقسام ہیں:

i۔ منفی توجہ ذہن اور ii۔ مثبت توجہ ذہن

اے دوست! منفی توجہ ذہن کی صورتیں جادو، مسمریزم اور تمام شیطانی عملیات ہیں جبکہ تسخیرِ ذات اور تکمیلِ ذات اسکی مثبت صورتیں ہیں۔ لطائفِ ستہ توجہ

ذہن کی مثبت صورت ''قُربِ الٰہی اور ''اِک مُک'' کی کیفیت سے دوچار کرتی ہے۔

دُرِّعشق (عشقِ الٰہی): ایک صوفی صاحب کا شعر ہے:

بھیکا بھوکا کوئی نہیں، سب کی گُدڑی لال
گرہ کھول نہ آئے، اس لئے ہے کنگال

دُرِّعشق یعنی گوہرِ محبت وہ جوہر ہے جو رَبُّ العِزَت نے ہر انسان کے دل میں چھپا کر رکھا ہے لیکن ماحولیاتی آلودگی اور علم و آگہی سے دوری کی بنا پر حضرت انسان کے ذہن کی رسائی اور توجہ اس قیمتی اثاثہ کی جانب نہیں ہوتی اسی وجہ سے عرفان سے دوری اور نتیجتاً کنگال ہے۔

دُرِّعشق وہ لعلِ معرفتِ الٰہی ہے جو ''اِک مُک'' کی کیفیت سے آگاہ کرتا ہے۔ اے دوست! فنائے ذات کے عمل سے معجزاتِ عشق رونما ہوتے ہیں۔ ''نفی ذات'' مقصودِ حیات ہے۔ فقیر کا شعر ہے:

سمجھ میں آتی نہیں، اکثر یہ بات
نفی ذات، اصل میں ہے، اثبات ذات

اے دوست! سچے صوفی کا بس ایک ہی نظریہ، وظیفہ، مُراد اور دُعا ہوتی ہے:

اِلٰہی

اَنْتَ مَطْلُوْبٌ اَنْتَ مَقْصُوْدٌ

اے دوست! جذبہ عشق، چاہت کی اعلیٰ کیفیت و عمل کا نام ہے۔ اگر اطاعت میں جذبہ چاہت نہ ہو تو یہ محنت کہلاتی ہے۔ جذبہ چاہت کی تپش

سے ہی انسان کا عمل کندن بنتا ہے جسطرح سونا آگ میں جل کر کندن بنتا ہے۔صوفی ، چاہت کا وہ چراغ ہے جو عشقِ الٰہی کے نور سے روشن ہوتا ہے۔اس لئے عاشق بن ، عابد نہ بن۔

تکرار:

تکرار کے معنی دہرانے کے ہیں یعنی سالک جب ایک لطیفہ کے سبق کو مکمل کر لے اور دوسرے لطیفہ کا ذکر کرے تو صبح اٹھتے ہی اوّل وقت (نماز سے پہلے یا بعد میں) پہلے والے لطیفہ کا 2 سے 3 منٹ ذکر کرے مثلاً یہ کہ اگر سالک نے لطیفہ قلب کا کورس ختم کرلیا ہے اور لطیفہ روح کا ذکر کر رہا ہے تو اوّل لطیفہ یعنی لطیفہ قلب کا ذکر 2 سے 3 منٹ تک ضرور کرے۔اسی طرح جب سالک تیسرے ''لطیفہ سِر'' کا ذکر کر رہا ہو تو اوّل اور دوئم لطائف یعنی قلب اور لطیفہ روح کا ذکر 2 سے 3 منٹ تک کرے۔اس کے بعد تیسرے لطیفہ سِر کا ذکر کرے۔یہی ترتیب چھٹے لطیفہ تک رکھے۔

فوائد: لطائف ستّہ کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں:

(i) ذہنی یکسوئی اور توجہ (Concentration of Mind) کے حصول میں مدد ملتی ہے۔

(ii) ذہن کے مثبت رویہ (Positivity of Mind) میں اضافہ ہوتا ہے۔

(iii) **''تزکیہ نفس''** کے حصول میں بڑی مدد ملتی ہے جس سے روح کو جلا اور بالیدگی حاصل ہوتی ہے جو باعث قربِ الٰہی بنتا ہے۔

(iv) کشف کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

(v) اللہ تعالیٰ اپنا انعام ''ولائت'' کی صورت میں عطا فرماتے ہیں۔

(vi) دنیا اور آخرت دونوں سنور جاتی ہیں۔

(vii) جذبہ عشق کے ساتھ لطائفِ ستہ کے ذکر سے ذات کی تکمیل ہوتی ہے۔

24۔صوفیاء کرام کے کلمہ لَاوُجُودَ وَلَا مَوجُودَ اِلَّا اللّٰہ کی تشریح:

حضرت ابنِ عربی کے نظریہ وحدت الوجود اور ہمہ اُوست کے پیروکار صوفیاء کرام کو وجودی صوفیاء کرام کہتے ہیں۔اوران کا کلمہ " **لَاوُجُودَ وَلَا مَوجُودَ اِلَّا اللّٰہ** "ان کے نظریہ وحدت الوجود کی کامل عکاسی کرتا ہے۔ وجودی صوفیاء کرام کا بنیادی خیال یہ ہے؛

"کہ یہ کائنات فانی اور فریبِ نظر نہیں بلکہ عین حق ہے کیونکہ یہ کائنات، وجودِ حق (اللہ تعالیٰ) کا ہی ظہور ہے۔"

کلمہ **لَاوُجُودَ وَلَا مَوجُودَ اِلَّا اللّٰہ** کے لغوی معنی ہیں کوئی وجود نہیں اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے یعنی کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ اللہ تعالی کا ہی وجود ہے۔مراد وحدت کثرت کی صورت میں ظاہر ہے۔ اس کلمہ کو ماننے والے اللہ تعالیٰ کو ایک (واحد) ضرور مانتے ہیں **لیکن اسے ایک خالق و معبود نہیں مانتے** کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو ایک خالق مانتے ہیں تو یہ کائنات بشمولِ حضرتِ انسان، خلق ہوئی اور اگر اللہ تعالیٰ کو ایک معبود مانتے ہیں تب بھی یہ کائنات و مافیہا سب مخلوق ہوئی جو نظریہ ہمہ اُوست اور حضرت ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کے خلاف ہے کیونکہ نظریہ ہمہ اُوست کے مطابق سب وہی (اللہ تعالیٰ) ہے اور حضرت ابنِ عربی کے نظریہ وحدت الوجود کے مطابق بھی وحدت، کثرت کی صورت میں ظاہر ہے اور جب ہمہ اُوستی صوفی یا جوگی کو اس نظریہ کا کامل عرفان ہو جاتا ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہوتا ہے تو وہ اسی عرفان کی مستی و نشہ میں جھومتا رہتا ہے کیونکہ اُسے مقصودِ زندگی حاصل ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے وہ ذکر و عبادت سے بے نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ جب سب وہی (اللہ تعالیٰ) ہے تو پھر کیوں عبادت

کرے۔ یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند کے ہمہ اُوستی صوفیاء کرام اور ہندو جوگی عبادت نہیں کرتے اور اپنی ذہنی صلاحیت وقابلیت کو عملیات کے ذریعے کمالات کے حصول میں صرف کر دیتے ہیں مثلاً کشف کا حصول، ہوا میں اُڑنا، پانی پر چلنا وغیرہ۔ اے دوست! یہ خدا پرستی نہیں بلکہ نفس پرستی کی شکل ہے کیونکہ ان کمالات کے حصول میں رضائے الٰہی شامل نہیں۔ اے دوست!

رضائے الٰہی میں کسی بھی شے کی طلب نہیں ہوتی اور اگر طلب ہوتی ہے تو صرف وصل یار کی کیونکہ وصل یار سے بڑھ کر کوئی شے محبوب نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر کمالات عطائے الٰہی ہیں تو پھر ٹھیک ہے (الحمدللہ) لیکن سادہ لوح عوام ان نفس پرستوں کے کمالات کو کرامات سمجھتے ہیں جو ایک مغالطہ ہے۔ اس سے بھی ایک قدم آگے نفس پرست مذہبی ٹھیکیداروں نے اپنی دنیاوی اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اور عوام الناس کی نفسیاتی کمزوری (چاہت وعبادت کے بنیادی جذبہ) سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں ''بت پرستی'' کی طرف راغب کیا اور یہ نقطہ سامنے رکھا کہ چونکہ ''ہر شے میں خدا ہے'' اس لئے بتوں کی پوجا عین جائز ہے۔ اسی قسم کی بُت پرستی مسلمانوں میں ''قبر پرستی'' اور ''پیر پرستی'' کی شکل میں عام ہو چکی ہے جو صریحاً باطل ہے کیونکہ تعلیم تصوُّف کی روح (پاکیزگی عمل یعنی نیک کردار) مر چکی ہے۔ اسی طرح ''دولت پرستی'' کا ''مہابت'' ہر ذہن کی زینت بن چکا ہے جو معاشرہ کے زوال کی وجہ ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اینکر پرسنز، سیاست دان اور مذہبی سکالرز معاشرتی نظام کی خرابی کا رونا روتے ہیں لیکن اپنی ذات کے نظام کی خرابی کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ اے دوست! فرد کی ذات کے نظام سے معاشرے کا نظام بنتا ہے۔ اگر فرد کا نظام یعنی اس کا کردار ٹھیک نہیں تو معاشرہ کا نظام بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ اس لئے اچھے معاشرہ کے قیام کے لئے فرد کا ذاتی نظام (ذہنی سوچ اور کردار) کا ٹھیک ہونا لازم ہے۔

اے دوست! سب سے اچھا نظام اپنی ذات کی اصلاح ہے اور جب تلک اپنی ذات کی خامیوں اور برائیوں کو درست نہیں کریں گے یعنی اپنی ذات کا احتساب نہیں کریں گے تب تلک معاشرہ

میں تبدیلی کا سوچ بھی نہیں سکتے ۔ ہر فرد کو اس مائنڈ سیٹ کے نظام کو اپنانا ہوگا کیونکہ ذہن میں تبدیلی سے ہر کردار و عمل میں تبدیلی آتی ہے۔فرد کی تبدیلی، معاشرہ کی تبدیلی کی عکاسی کرتا ہے کیونکہ قانونِ الٰہی ہے کہ جب تلک حضرتِ انسان اپنے ذہن میں تبدیلی نہیں لائے گا، اللہ تعالیٰ بھی تبدیلی نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ (الرعد پارہ 13) کی آیت نمبر 11 میں فرماتے ہیں؛

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوامَا بِاَنْفُسِھِمْ

ترجمہ: بے شک خدا ہرگز تغیر (تبدیلی) نہیں ڈالتا جب تک لوگ خود اپنی نفسی (ذہنی) حالت میں تغیر نہ ڈالیں۔

اے دوست! تبدیلی لانے کا عمل ٹاپ ڈاؤن اپروچ (Top Down Approach) سے تعلق رکھتا ہے یعنی حکمران، سیاستدان، جج صاحبان، ڈاکٹر صاحبان، اساتذہ کرام، فوجی جرنیل، پولیس افسران، مذہبی سکالر اور دانشور حضرات سب اپنے اپنے ذہنوں میں تبدیلی لائیں اور بہادری سے ایمانداری کو اپنائیں تو چند ماہ میں اچھے نتائج سامنے آئیں گے۔

اے دوست! کلمہ **لَا وُجُوْدَ وَلَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ** سے ''تکبر'' کی بو آتی ہے کیونکہ حضرتِ انسان اپنی ذات یعنی اپنی خودی کا اثبات کرتا ہے جبکہ تکبر صرف ذاتِ الٰہی کے لئے جائز ہے۔ حضرتِ انسان کو عاجزی اپنانی چاہئے اپنی ذات کی نفی اور ذاتِ الٰہی کا اثبات کرنا چاہئے کیونکہ سچی اور حقیقی وحدانیتِ الٰہی یعنی توحیدِ الٰہی کا کلمہ **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** ہے اور اس کلمہ کا اقرار اور اس پر عمل ہی عجز و عبادت کی نشانی ہے اور یہی مقصودِ زندگی ہے۔ اے دوست! **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** کلمہ اِلٰہی ہے جو لازوال ہے۔ اسی کلمہ سے وحدانیتِ الٰہی کے سُریلے سُر نکلتے ہیں اور ''اِک مُک'' کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وہ عظیم کلمہ ہے جو ''عرفانِ ذات'' سے روشناس کراتا ہے۔

فقیر کے نقطہ نظر کے مطابق کلمہ **لَا وُجُوْدَ وَلَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ** صوفی کی ذہنی کیفیت

کوظاہر کرتا ہے نہ کہ یہ ایک نظریہ ہے، کیونکہ جب انسان، کائنات اوراس میں موجود تمام اشیاء بشمول اپنی خواہشات اور ذات کی نفی کرتا ہے تو پھر صرف ذاتِ الٰہی کا اثبات ہوتا ہے۔ صوفی جب اس مقام پر ہوتا ہے تو پھر صرف صوفی کا یہ کہنا جائز ہے کہ لَا وُجُوْدَ وَلَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ کیونکہ یہ کلمہ صوفی کی ذہنی حالت اور حال ومقام کی عکاسی کرتا ہے۔ اگر اس کلمہ کو بطور نظریہ، عقیدہ، یا مسلمہ حقیقت مان لیا جائے تو یہ صریحاً شرک ہے۔ صوفیاء کرام نے ذہنی کیفیت کو نظریہ میں بدل دیا جو راست قدم نہیں۔ یہ کلمہ اسلامی تعلیم وعمل کے خلاف ہے۔

فقیر کا مشاہدہ ہے کہ کلمہ **لَا وُجُوْدَ وَلَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ** کے پیروکار کچھ صوفیاء کرام اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں جس سے فقیر کے نظریہ کو تقویت ملتی ہے کہ یہ کلمہ صوفی کی ذہنی کیفیت وحال کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ یہ ایک نظریہ یا حقیقت ہے۔

اے دوست! حضرت انسان کی عظمت اسکی عبدیت میں ہے۔ عبدیت کیا ہے سراپا عاجزی کا نام عبدیت ہے۔ محبوب کے در پر جھک جانے کا نام عبدیت ہے۔ سرِ تسلیم خم کرنے کا نام عبدیت ہے۔ اے دوست! حُسنِ عبدیت (نفی ذات) سے مقامِ ابدیت حاصل ہوتا ہے۔

25۔ صوفیاء کرام اور علماء کرام کی 'وجودِ واحد' اور ''وحدت الوجود'' کے بارے میں ایک سنگین غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

فقیر کا مشاہدہ ہے کہ اکثر صوفیائے کرام اور علمائے حضرات ''وجود واحد'' کو ہی ''وحدت الوجود'' کہتے ہیں جو ایک سنگین غلط فہمی ہے جس کا ازالہ انتہائی ضروری ہے۔

(i) محترمی علامہ سید احمد کاظمی صاحب رقم طراز ہیں کہ ''یہ تمام کائنات مجاز ہے۔ فرضی چیز ہے اور حقیقی وجود صرف اس کا (اللہ تعالیٰ) ہے۔ اب غور کیجئے کہ ''وحدت الوجود'' پر یقین رکھنے والوں کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے شرک کیا

کہ یہ چونکہ صرف رب کو مانتے ہیں اس لئے انہوں نے گویا ہر موجود شے کو خدا تسلیم کر لیا (تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی تصنیف ''وحدت الوجود'' کے صفحہ 13 پر)

(ii) ڈاکٹر ابوسعید نورالدین تحریر کرتے ہیں:

وحدت الوجود'' سے مراد یہ ہے کہ ''وجود'' یا ہستی صرف ''واحد'' ہے باقی ''ہمہ عدم'' ہے۔ وجودِ واحد کے علاوہ وجودِ کائنات و مافیہاء کا کوئی اعتبار نہیں۔ (دیکھئے فقیر کی کتاب ''وحدت الوجود'' کے صفحہ 16 پر)

اے دوست! مندرجہ بالا دونوں تعریفیں ''وجودِ واحد'' کی ہیں نہ کہ ''وحدت الوجود'' کی۔ فقیر ''وحدت الوجود'' اور ''وجودِ واحد'' کی تعریف عرض کرتا ہے تا کہ دونوں تعریفوں کا فرق واضح ہو۔

وحدت الوجود کی تعریف:

حضرت ابن عربی فرماتے ہیں:

(i) سو جب ہم نے اس کا مشاہدہ کیا تو اپنے نفوس کا مشاہدہ کیا اور جب اس نے ہمیں دیکھا تو خود کو دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر ایسا نہ ہوتا تو واحد میں کثرت بھی نہ ہوتی۔ (خصوص الحکم وخصوص الکلم صفحہ نمبر 94 مترجم ابرار احمد شاہی۔ دیکھئے صفحہ 44 اور 45)

(ii) ''وہی تو ہے جس نے اپنی ذات سے اس (حادث) کو وجود عطا کیا اور یہ (حادث) اس سے منسوب ہوا۔ (خصوص الحکم وخصوص الکلم صفحہ نمبر 94)

(iii) ڈاکٹر محسن جہانگیری اپنے مقالہ ''وحدت الوجود'' میں رقم طراز ہیں:

آخر میں ہم وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو تصریحاً ''وحدت الوجود''

کے بارے میں ہے:

''پاک ہے وہ جس نے اشیاء کو ظاہر کیا اور وہ ان اشیاء کا عین ہے

(تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ 39) اوپر دی گئی تعریفوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت ابنِ عربی وحدت سے کثرت کے حامی ہیں اور اسی وجہ سے یہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات کا عین ہے۔ فقیر وحدت الوجود کی تعریف یوں کرتا ہے:

''تمام وجودوں کی وحدت کو وحدت الوجود کہتے ہیں''

وحدت کی حقیقت:

اے دوست! ''وحدت'' کے لغوی معنی ''ایک'' کے ہیں لیکن حقیقت میں ''وحدت'' دو یا دو سے زیادہ اشیاء یا وجود کے اتحاد کے نتیجہ میں معرضِ وجود میں آتی ہے۔ ''وحدت'' ہمیشہ دوہری صفات کی حامل ہوتی ہے۔ (i) وحدت:۔۔ جو کثرت کے اتحاد سے ظہور پذیر ہوتی ہے اور (ii) کثرت۔ اے دوست۔ وحدت ہمیشہ ایک ہی وقت میں وحدت اور کثرت دونوں صفات کی غمازی کرتی ہے۔ اسی قاعدہ اور کلیہ کی رُو سے ''وحدت الوجود'' کی بھی دو صفات لازم ہیں: (i) وحدت اور (ii) کثرت۔ اب فقیر ''وجودِ واحد'' کی تعریف عرض کرتا ہے۔

وجودِ واحد کی تعریف:

اے دوست! ''واحد'' کے لغوی معنیٰ ''ایک'' ''اکیلا''، ''تنہا''، ''یگانہ'' اور ''یکتا'' بے مثل اور ''بے نظیر'' کے ہیں۔ اس طرح ''وجودِ واحد'' کے معنی اکیلا اور بے مثل وجود کے ہیں یعنی **کثرت سے پاک**۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

قُل ھوَ اللہُ اَحَد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(سورۃ اخلاص پارہ 30)

اَحد کے معنی بھی ''یکتا'' کے ہیں یعنی لَیس کَمِثلِہ شَئی ۔مُراد کثرت اور عین سے پاک یعنی ''شرک'' سے پاک ۔یہی وہ نقطہ ہے جسے اکثر صوفیاء کرام اور علماء حضرات جوشِ جذبات میں بھول گئے ۔**''وجود واحد'' کی تعریف کرتے وقت کائنات و مافیہاء فانی ہے یعنی ''غیر اللہ'' ہے۔ یہ تعریف اسلامی نظریہ کے مطابق درست ہے۔ نظریہ ''وحدت الوجود'' کے مطابق کائنات و مافیہاء فانی نہیں کیونکہ سب وہی ہے**۔ اے دوست! نظریہ وحدت الوجود کلمہ لَا اِلٰہ اِلاَّ اللہ سے ڈائریکٹ ٹکراتا ہے اس لئے یہ غیر اسلامی نظریہ ہے جو قابل قبول نہیں۔ یہی وجہ کہ ''وجودِ واحد'' کو ''وحدت الوجود'' کہنا درست نہیں۔

۔تمت بالخیر۔

MAIN LIBRARY
PUNJAB UNIVERSITY LHR.

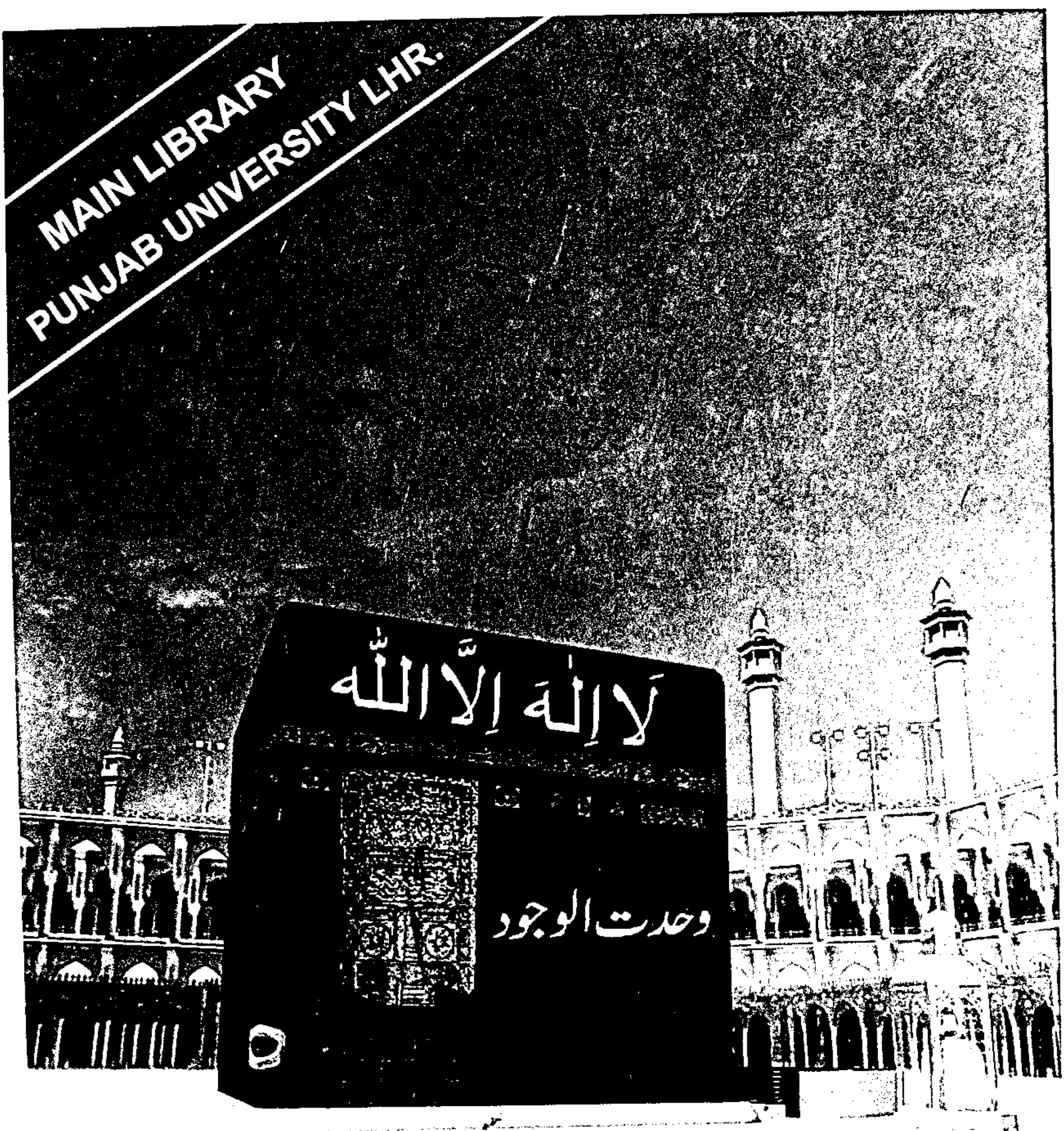

وحدت الوجود

محمد مختار خان غزنوی میاں خیل نقشبندی